اسلامی بینکاری
تاریخ و پس منظر اور غلط فہمیوں کا ازالہ
خطاب
شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ
الافنان
صفورہ چوک کرن ہسپتال روڈ، بالمقابل پی ایس او پمپ
اسکیم نمبر ۳۳، یونیورسٹی روڈ، کراچی

اسلامی بینکاری

تاریخ و پس منظر، غلط فہمیوں کا ازالہ

خطاب
حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

الافنان
صفورہ چوک، کرن ہسپتال روڈ، بالمقابل پی ایس او پمپ، اسکیم ۳۳
یونیورسٹی روڈ کراچی

طبع جدید : جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ - مئی ۲۰۱۰ء
مطبع : شمس پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر : الافنان
صفورہ چوک، کرن ہسپتال روڈ، بالمقابل پی ایس او پمپ، اسکیم ۳۳
یونیورسٹی روڈ کراچی ۷۵۲۷۰
فون : 021-4645151 ، 0321-2391971
ای میل : afnancorp@hotmail.com

اسٹاکسٹ:
ادارۃ المعارف کراچی
احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
فون: 021-35032020، 021-35123161
موبائل: 0300 - 2831960
ای میل: imaarif@live.com

ملنے کے پتے:

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴
مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴
دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
بیت القرآن، کراچی
ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور

ترتیب

اسلامی بینکاری

تاریخ و پس منظر، غلط فہمیوں کا ازالہ

خطاب

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

اسلامی بینکاری کا مسئلہ

اصولِ فتویٰ کی روشنی میں

خطاب

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

مفتی اعظم پاکستان

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ
وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ

”اے اللہ! ہم کو حق بات کی سچائی سمجھا دیجیے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرما دیجیے، اور باطل کی گمراہی سمجھا دیجیے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما دیجیے۔“

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

اسلامی بینکاری کا مسئلہ
اُصولِ فتویٰ کی روشنی میں

خطاب
مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثانی صاحب

***

تنگ آجائے گی خود اپنے چلن سے دُنیا
تُجھ سے سیکھے گا زمانہ ترے انداز کبھی

زکی کیفی

پیش لفظ

ایک پُرسوز بیان

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن وسنت پر نظر رکھنے والا ہر شخص اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ''سود'' کی حرمت وشناعت کو بیان کرتے وقت کتاب اللہ اور احادیث مبارکہ کا لب ولہجہ غیر معمولی طور پر سخت اور آہنگ بلند ہوجاتا ہے۔ سودخوری کا مرتکب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تقسیم کے نظام میں احکم الحاکمین کے وضع کیے ہوئے قواعد وضوابط کی اس طور پر نافرمانی کرتا ہے کہ شریعت اسلامیہ اس کی مذمت اور اس کے جرم کی شناعت وقباحت کے بیان میں انتہائی سخت الفاظ میں تنبیہ کرتی نظر آتی ہے۔

اُمت مسلمہ کے لیے شریعت اسلامیہ کی اس اہم ترین تنبیہ وتاکید پر عملدرآمد میں لامتناہی مشکلات اور رکاوٹوں کا آغاز اس وقت ہوا جب سودی معیشت اور سرمایہ دارانہ نظام نے اپنے جبر کے پنجے پوری دنیا کے مالیاتی اداروں اور اقتصادی نظام کے حلق میں گاڑ دیے۔ اب اگر کسی ملک نے اپنا نظام چلانا ہو، بین الاقوامی تجارت یا درآمد و برآمد کی معاشی سرگرمی میں حصہ لینا ہو تو اس کے لیے ان سودی اداروں کے علاوہ کوئی آپشن نہیں چھوڑا گیا۔ غیرت منداور ایمان دار مسلمانوں نے حتی المقدور اپنے دامن کو سود کی آلائشوں سے پاک رکھنے کی کوشش کی مگر سودی نظام نے کم ازکم سود کے غبار کو ان کے نتھنوں تک پہنچانے میں بھی ہر ممکن کوشش صرف کی۔ اس مسموم فضا میں علمائے ربانیین اور فقہائے

ملت کے کاندھوں پر یہ ذمہ داری آئی کہ وہ اُمت کی کسی ایسے راستے کی جانب رہنمائی کریں جو ان کو "سودخوری" کے قبیح ترین جرم سے بچا کر معاشی وتجارتی سرگرمیوں کی مطلوب منازل تک پہنچا سکے۔ لائق صد تحسین ہے علمائے اُمت کی وہ جماعت جس نے انتہائی نامساعد حالات، مالیاتی اداروں کے عدم تعاون، حکومتوں کی مجرمانہ غفلت اور سرمایہ دار مسلمانوں کی بے توجہی کے باوجود عامۃ المسلمین کو سود سے بچانے کے لیے ان سودی مالیاتی اداروں کے متوازی غیر سودی اداروں کی طرح ڈالی اور شہباز وممولے کی اس جنگ میں ممولہ کی پرورش اور نشو ونما کی ہر ممکن کوشش کی۔

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کوشش اتنے بڑے عفریت کے خلاف تھی کہ اس کے پہلے مرحلے میں اس سے سو فیصد نتائج کی برآمدگی کا مطالبہ نامناسب اور تدریج کے آفاقی اُصولوں کی پامالی ہے، مگر اس حقیقت کے اعتراف میں بھی کوئی باک نہیں ہونا چاہیے کہ غیر سودی مالیاتی اداروں کے قیام اور پھر ان کی کامیابی کے تصور نے سودخور یہودیوں اور ان کے انصار واعوان کی نیند اُڑادی ہے۔ کیا مسلمان اس قدر بالغ النظر اور اپنے آفاقی دین کی تعلیمات پر اس حد تک کاربند ہو جائیں گے کہ وہ اپنے اقتصادی ومالیاتی معاملات کو علمائے کرام کی زیرنگرانی شریعت مطہرہ کے ضابطوں اور قوانین کی روشنی میں چلانے کی کوشش کریں گے؟ اس تصور سے مغرب کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بہت رحمتیں اور برکتیں نازل کرے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب پر کہ ان کی ذات ان مخلص ربانی علمائے کرام میں سے ہے جنھوں نے "سود" کے خلاف اعلانِ جہاد کرتے ہوئے اُمت مسلمہ کو اس سے بچانے کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کی جدوجہد کو غیر شرعی نظام کے خاتمے اور شرعی مالیاتی نظام کی ترویج کا ذریعہ بنائے۔

گزشتہ دنوں کچھ علمائے کرام نے اسلامی بینکاری کے بارے میں ایک فتویٰ جاری

فرمایا۔ اس فتوے کو ''متفقہ فتویٰ'' اور ''جمہور کا موقف'' کہا اور سمجھا جا رہا تھا جبکہ ثقہ علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کی ایک بڑی تعداد کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔ حضرت شیخ الاسلام صاحب سے سنجیدہ اور متدین حلقے اس بارے میں کئی دنوں سے اظہارِ خیال کا مطالبہ کر رہے تھے، چنانچہ جامعہ اسلامیہ لاہور میں حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب کی دعوت پر مخصوص افراد کی ایک مجلس میں حضرت نے بڑی ہی دلسوزی سے اس موضوع پر کچھ مختصر سی گفتگو فرمائی جو بڑی چشم کشا ہے۔ قارئین کے استفادے کے لیے اس گفتگو کو شائع کیا جا رہا ہے۔ حضرت کے خطاب کے بعد ہونے والے سوالات و جوابات بھی ساتھ ہی دے دیئے گئے ہیں نیز حضرت کے بیان میں آنے والے حوالہ جات کی تخریج کر دی گئی ہے۔ حضرت کے بیان کے بعد اسی محفل میں صدر دار العلوم کراچی حضرت مولانا رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا مختصر اور جامع خطاب ہوا تھا، وہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے اور حق کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ

وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ

آمین یاربّ العالمین

ادارہ

اسلامی بینکاری

تاریخ و پس منظر، غلط فہمیوں کا ازالہ

خطاب

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلوٰة والسلام على رسوله الكريم، وعلىٰ آله وأصحابه أجمعين، وعلىٰ من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

امابعد!

حاضری کا مقصد:

میرے مخدوم بزرگ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی اور حضرات علمائے کرام!

میں اپنے مخدوم بزرگ مولانا مشرف علی تھانوی صاحب اور مولانا قاری احمد میاں صاحب تھانوی مدظلہم کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھ ناکارہ کو یہاں حاضری کی دعوت دی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے آج کے دن پہلے ہی یہاں حاضری کا ارادہ کیا ہوا تھا اور اس کا مقصود صرف ملاقات تھا۔ حضرت مولانا قاری احمد میاں صاحب مدظلہم جب کراچی تشریف لائے تو انہوں نے حضرت کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ ہمارے کچھ احباب جن کا تعلق فقہ اور فتویٰ سے ہے، وہ مجھ سے میری معلومات کی حد تک اس موضوع کے متعلق صحیح صورتِ حال سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں جو آج کل چھڑا ہوا ہے۔ اس مقصد کے لیے چند محدود افراد پر مشتمل اجتماع کا ارادہ ہے۔

ملاقات کا ارادہ تو پہلے سے تھا، اس دعوت کے بعد مزید پختہ ہوگیا۔ خیال تھا کہ چند احباب ہوں گے مگر ماشاء اللہ یہاں تو اچھا خاصا مجمع ہوگیا ہے۔ اس موضوع پر پہلے بھی مختلف مواقع پر اجتماعات منعقد ہوتے رہے ہیں لیکن موجودہ فضا میں اس موضوع پر بات کرنے کے لیے حالات کے اس پس منظر سے قطع نظر نہیں کی جاسکتی جس میں یہ اجتماع

منعقد ہو رہا ہے۔ پچھلے دنوں اس موضوع پر جو واقعات پیش آ۔ ران سے صرفِ نظر کر کے بات کی جائے تو شاید مفید نہ ہو۔ ہم آپس میں بیٹھے ہیں اور الحمدللہ بے تکلف مجلس ہے، اس لیے کسی قسم کے تحفظات کے بغیر اگر صورتِ حال کی وضاحت کی جائے تو بظاہر نامناسب نہ ہوگا۔

اسلامی بینکاری کی تاریخ اور پس منظر:

پہلے تو میں مختصراً یہ عرض کر دوں کہ اسلامی بینکاری یا غیر سودی بینکاری کا جو تصور اس وقت اُبھرا ہے، وہ کوئی نیا نہیں ہے اور کیونکہ مجھے اس میدان میں تھوڑا بہت کام کرنے کا موقع ملا، اس لیے لوگوں کے ذہنوں میں یہ تاثر ہے کہ میں ہی اس کا موجد یا علمبردار ہوں یا میں نے ہی سب سے پہلے یہ کام شروع کیا ہے۔ واقعہ یہ نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ سود ان عظیم گناہوں میں سے ہے کہ اللہ نے اس کے لیے وہ الفاظ استعمال فرمائے جو کسی اور گناہ کے لیے استعمال نہیں کیے۔ ''فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ'' یہ ارشاد زنا کے لیے نہیں ہوا، شراب کے لیے نہیں ہوا، جوے کے لیے نہیں ہوا، دوسرے بد سے بدتر گناہ کے لیے نہیں ہوا، لیکن دو دہائیاں پہلے مغرب زدہ متجددین نے یہ بحث چھیڑی کہ بینکوں کا سود اس ''ربا'' کی تعریف میں نہیں آتا جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔

''رِبا'' کے نام پر جو مقالے ان متجددین نے لکھے تھے اس میں یہی موقف اختیار کیا گیا تھا کہ رِبا کی حقیقت وہ ہے جو دو غریب آدمی آپس میں کرتے ہیں، لیکن تجارتی سود میں جو بڑے پیمانے پر رقمیں لی اور دی جاتی ہیں، وہ ربا نہیں۔ اس کے خلاف الحمدللہ! کئی مقالات مجھے لکھنے کی توفیق ہوئی۔ اس کے بعد وفاقی شرعی عدالت میں یہ مسئلہ اُٹھا۔[1] سپریم کورٹ میں یہ مسئلہ آیا اور وہاں مہینوں اس پر بحث جاری رہی۔ ہم نے سپریم کورٹ کی طرف سے یہ فیصلہ دیا کہ بینکوں کا سود بھی رِبا کی تعریف میں داخل ہے۔ وہ فیصلہ نافذ بھی ہوا

(۱) حضرت اُس وقت سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت اپیلیٹ بینچ کے جج تھے۔

اور اسی فیصلے کی پاداش میں وہ بینچ توڑی گئی اور مجھے اس بینچ سے الگ ہونا پڑا...... لیکن الحمد للہ! وہ سارے دلائل جو علمائے حق کی کوششوں سے پیش کیے گئے تھے، ان کے نتیجے میں یہ فیصلہ جاری ہوا کہ ربا کی ہر قسم اور سود کی ہر شکل...... چاہے وہ چھوٹی ضرورت کے لیے ہو یا بڑی تجارت کے لیے...... وہ بہر حال حرام ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی جدوجہد:

اسلامی نظریاتی کونسل جو 1980ء میں صدر ضیاء الحق کے دور میں قائم ہوئی تھی، اس میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ بھی رکن تھے۔ مجھے بھی اس کا رکن چنا گیا تھا۔ اس وقت اسلامی نظریاتی کونسل کے ذمہ جو اہم بنیادی کام تھے، ان میں سرفہرست یہ کام تھا کہ ان بینکوں کو سود سے پاک کیا جائے اور اس کے لیے کام کیا جائے۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ کی بہت جلد وفات ہوگئی، لہٰذا ہم ان سے زیادہ استفادہ نہیں کر سکے۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب رحمہ اللہ ان کی جگہ تشریف لائے اور اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک رپورٹ مرتب کی۔ وہ رپورٹ بینکوں کو سود سے پاک کرنے کے متعلق تھی۔ اس وقت جو حضرات موجود تھے ان میں حضرت مولانا شمس الحق افغانی، حضرت مفتی سیاح الدین کاکاخیل صاحب اور بریلوی حضرات میں سے مفتی محمد حسین نعیمی صاحب...... ان سب حضرات کی موجودگی میں وہ رپورٹ تیار ہوئی اور پھر شائع بھی ہوئی۔ انگریزی میں بھی اُردو میں بھی۔ [1]

حکومتی تحریفات اور اس پر میرا احتجاج:

لیکن حکومت نے جب اس کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی تو اس میں طرح طرح کی تحریفات کر کے اس کا حلیہ بگاڑ ڈالا اور پھر اس کو اپنی من مانی سے نافذ کیا۔ اس وقت تمام بینکوں میں اعلان کیا گیا کہ ہم پی ایل ایس اکاؤنٹ یعنی نفع ونقصان میں شرکت والا اکاؤنٹ کھولیں گے۔ اس وقت لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ کیا تبدیلی آئی ہے؟ میں نے جائزہ

(۱) مزید تفصیل کے لئے حضرت کی کتاب ''سود پر تاریخی فیصلہ'' مطالعہ کریں۔

لیا تو معلوم ہوا کہ یہ سب اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ کے بالکل خلاف ہے۔ میں نے آواز اُٹھائی کہ انہوں نے اسلامی نظریاتی کونسل کے خلاف تمام کام کیے ہیں اور رپورٹ میں اسلامی بینکاری سے متعلق جو باتیں کہی گئی تھیں ان پر صحیح طریقے سے عمل نہیں کیا گیا۔ شاید سب سے پہلے میں نے ہی اس کے خلاف اخبارات میں مضمون لکھے جس میں ان غلطیوں کی نشان دہی کی گئی۔ خلاصہ یہ کہ وہ محض ایک دھوکا تھا۔ حقیقت میں اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ میں جو باتیں کی گئی تھیں ان پر صحیح طریقے سے عملدرآمد نہیں کیا گیا تھا۔ جب ہمارا یہ احتجاج آگے بڑھا تو ایک مرحلے پر حکومت سے گفتگو ہوئی۔ حکومت نے اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ آپ ترمیمات تجویز کریں تو اس نظام کو صحیح راستے پر لانے کی کوشش کی جائے گی۔ اس وقت جب یہ کام شروع ہونے لگا تو ہمارے ہاں ایک مجلس تھی ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کے نام سے جو حضرت والد صاحب کے زمانے سے قائم تھی۔ اس میں حضرت والد صاحب، حضرت بنوری، حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہم اللہ شامل تھے اور جب موقع ملتا تو دوسرے علماء کو بلا کر کسی مسئلے پر گفتگو کی جاتی تھی۔ تو اس وقت ایک مجلس منعقد کی گئی تا کہ ایسی تجاویز طے کی جا سکیں جن کی رُو سے یہ معاملہ جو غلط رُخ پر پڑ گیا ہے اس کو صحیح رُخ پر لا سکیں۔ چنانچہ ایک مجلس دار العلوم کراچی میں ہوئی۔ اس میں ایک متفقہ رپورٹ تیار ہوئی۔ اس میں ان طریقوں کی نشان دہی کی گئی جو جائز ہو سکتے تھے۔ اس مجلس میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب، حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب، مفتی محمد وجیہ صاحب، حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہم اللہ اور خیر المدارس سے حضرت مولانا انور صاحب...... یہ تمام حضرات اس میں شامل تھے اور ہم بھی اس میں موجود تھے۔ انہوں نے اس موضوع پر جو تجاویز مرتب کیں وہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے احسن الفتاویٰ میں شائع بھی کرا دیں۔ احسن الفتاویٰ کی ساتویں جلد میں موجود ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ حکومتی سطح پر اس پر بھی عملدرآمد نہیں ہوا اور حکومتی سطح پر جو بینک تھے اسی سابقہ ڈگر پر چلتے

رہے۔ان کے اندر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

سرکاری سے نجی کی طرف:

اسی دوران یہ آواز اُٹھی کہ اگر حکومتی سطح پر ادارے قائم نہیں ہو رہے تو کم از کم نجی اور پرائیویٹ سیکٹر میں اور غیر سرکاری سطح پر کچھ ادارے قائم کیے جائیں۔عرب ممالک میں اس کا زیادہ رجحان ہوا۔ پہلے پاکستان میں شروع ہوا تھا لیکن پاکستان میں ان سب حالات کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوسکا، پھر یہ عرب میں شروع ہوا جس کے لیے وہاں کے علماء کی بھی مجلسیں منعقد ہوئیں۔اس وقت کم وبیش انہی تجاویز پر اتفاق کیا گیا جن پر ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' میں اتفاق کیا گیا تھا۔اس کی بنیاد پر یہ ادارے قائم ہوئے۔ پھر پاکستان میں بھی ایسے بینکوں کا قیام شروع ہوا۔شروع میں فیصل بینک کے نام سے بینک تھا جس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ اسلامی طریقے سے کام کرے گا۔میں نے بہت مدت تک اس کے ساتھ کام کی کوشش کی لیکن اس میں بھی مجھے کامیابی نہ ہوسکی اور بالآخر مجھے اس کو چھوڑنا پڑا...... لیکن بعد میں کچھ ادارے وجود میں آئے جنہوں نے ہماری تجاویز کو مانا اور مان کر اس پر عملدرآمد کرنے کی یقین دہانی کرائی اور اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ ان تجاویز پر عمل یقینی بنایا جائے گا۔اس کے بعد یہ چند بینک پاکستان میں قائم ہوئے۔

ایک ضروری وضاحت:

یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ پاکستان میں اسلامی بینکاری کے نام سے جو بینک قائم ہیں ان کے بارے میں بسا اوقات لوگوں کے ذہنوں میں یہ تاثر رہتا ہے کہ شاید ہر بینک سے میرا تعلق ہے اور ہر بینک میری ہدایات کے مطابق چلتا ہے یا ہر بینک کو میں نے تصدیق نامہ دیا ہوا ہے۔ایسا نہیں ہے۔ پاکستان میں صرف تین بینک ہیں جن سے میرا تعلق ہے۔ پھر کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کا مالک ہے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ اس

کا شیئر ہولڈر ہے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کا منتظم ہے۔ حالانکہ ان میں سے کچھ نہیں۔صرف اتنی سی بات ہے کہ ہر بینک کا ایک شریعہ بورڈ ہوتا ہے۔شرعی معاملات کی حد تک اس کی نگرانی، اس بارے میں اس کو ہدایات دینا، یہ اس کا کام ہوتا ہے۔شریعہ بورڈ کے ایک رکن کی حیثیت سے میرا ان تین بینکوں سے تعلق ہے۔میزان بینک، بینک اسلامی اور خیبر بینک۔اس کے علاوہ جو بینک ہیں ان سے میرا براہِ راست تعلق نہیں ہے کہ میں اس کے شریعہ بورڈ کا رکن ہوں یا ان کو میں براہِ راست ہدایات دیتا ہوں۔اور ان تین بینکوں سے جو میرا تعلق ہے وہ صرف شریعت کے مسائل کی حد تک ہے۔اس کے لیے ہدایات جاری کرنا، اس کی نگرانی کرنا۔ ان دو تین کاموں کی حد تک ان سے محدود تعلق ہے۔ انتظامیات سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ان کی ملکیت سے کوئی تعلق ہے۔

اصل صورتِ حال یہ ہے:

الغرض ان تین بینکوں سے بھی میرا تعلق صرف اس حد تک ہے کہ میں اس کا بنیادی ڈھانچہ، بنیادی نظام اور جو شرعی مسائل ہیں، ان کی حد تک ان کو ہدایات دیتا ہوں۔ان کے قوانین کے اندر یہ بات درج ہے کہ وہ سارے کام شرعی بورڈ کی نگرانی اور اس کی ہدایات کی روشنی میں کریں گے۔ یہ ہے حقیقی صورتِ حال۔لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا بینک کھلا ہوا ہے۔آپ کے بینک میں یہ ہو رہا ہے۔نہ میرا بینک ہے نہ میرا کوئی انتظامی نوعیت کا تعلق ہے۔ یہاں تک ہوتا ہے کہ کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ میرے پاس درخواستیں نہ آتی ہوں کہ فلاں آدمی آپ کے بینک میں ملازمت چاہتا ہے۔اس کو رکھ لیجیے۔لیکن میں نے عرض کیا کہ میرا کوئی انتظامی نوعیت کا اور ملکیت کا کوئی تعلق نہیں۔صرف ان کو شرعی مسائل کے حل میں مشورہ ضرور دیتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی نگرانی کرتا ہوں۔ یہ ہے اصل صورتِ حال۔

تفرد نہیں اجتماعیت:

اس دوران جیسا کہ میں نے عرض کیا جو کچھ کام میں نے شروع کیا تھا اس کی بنیاد درحقیقت وہ تحقیق تھی جو ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' میں اجتماعی طور پر آئی تھی اور جو احسن الفتاویٰ میں چھپی ہوئی ہے...... لہٰذا میں اپنے طور پر یہ سمجھا تھا کہ میں نے اپنی انفرادی رائے سے یہ کام نہیں کیا بلکہ علمائے کرام کے مشورے سے کیا ہے۔ اس مجلس میں اس وقت جو ہمارے بڑے علماء تھے، ان کی ہدایات اور ان کی تصدیق کے ساتھ میں نے بات کی ہے، لہٰذا مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ میں تفرد کی راہ اختیار کر رہا ہوں یا میں محض انفرادی رائے پر عمل کر رہا ہوں۔ ہاں! یہ ضروری نہیں کہ دوسرے علماء اس سے متفق ہوں...... لہٰذا اگر علمائے کرام کی طرف سے کوئی سوال آتا یا کوئی اشکال پیدا ہوتا تو جنہوں نے براہِ راست مجھ سے رابطہ کیا، میں نے حتی الامکان اگر تحریری سوال کیا گیا تو تحریری جواب دیا۔ اگر زبانی سوال کیا تو زبانی جواب دینے کی کوشش کی۔ بلکہ بعض علمائے کرام نے کہا کہ ہم یہ نظام دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کو وہاں بھیج بھی دیا۔ ان کے کاغذات دیکھ لیجیے۔ ان کے معاہدات دیکھ لیجیے۔ وہاں جا کر معاینہ فرما لیجیے۔ بعض علمائے کرام ایسے بھی تھے جنہوں نے دس دس، بارہ بارہ دن لگائے اور بینکوں کے اندرونی نظام کا جائزہ لیا اور پھر اس کے بعد کسی نے اطمینان کا اظہار کیا اور کسی کو کچھ شبہات بھی تھے۔ کسی نے تجاویز بھی پیش کیں۔ ان کے مطابق بھی عمل کیا گیا۔

اعتراضات کے حوالے سے میرا ایک طرزِ عمل:

یہاں ایک بات ضرور ہے کہ بعض علماء کی طرف سے کوئی تحریر سامنے آئی...... تو اس میں میرا طرزِ عمل یہ ہے...... پتا نہیں یہ طرزِ عمل صحیح ہے یا غلط؟...... میں یہ کرتا ہوں کہ اس کو

پڑھتا تو اس نیت سے ہوں کہ اگر اس میں میری کوئی غلطی ثابت ہو تو اس پر غور کر کے اگر رجوع کرنا مناسب ہو تو رجوع کرلوں...... لیکن اگر پڑھنے کے بعد میں اس سے متفق نہ ہوں تو اس کی تردید کی فکر میں نہیں پڑتا کہ میں بھی جواب لکھ کر اس کی تردید کردوں۔ ایسا میں نہیں کرتا۔ نہ میرا یہ معمول رہا ہے اور نہ ہی ایسا کرنا پسند کرتا ہوں۔ خواہ مخواہ اس سے ردوقدح کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ ہاں! البتہ کوئی براہِ راست رجوع کر کے سوال کرے تو اس کا جواب ضرور دیتا ہوں۔ چنانچہ جن حضرات نے تحریری طور پر کوئی سوال کیے تو جو کچھ میرے ذہن میں آیا میں نے اس کے جواب دیے۔ میرے پاس ایک فائل موجود ہے جس میں سوال و جواب کا یہ مجموعہ ہے۔ اس کے باوجود یہ دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے اور ہر موقع پر جب بھی اجتماع ہوا ہے، میں یہ گزارش کرتا رہا ہوں اگر اب بھی کوئی اشکال ہے تو وہ بلاتردد سامنے لایا جائے اور جانبین ٹھنڈے دل کے ساتھ ایک دوسرے کے دلائل کو سمجھ لیں اور اس کے بعد اس پر غور کریں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی ایک فریق اپنی رائے سے رجوع کرلے۔ غلط فہمی ہو تو دور ہو جائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اتفاق نہ ہو اور دونوں رائے اپنی جگہ رہیں۔ اختلافِ آراء ہو جائے۔ یہ اکابر کا معمول رہا ہے۔

پچھلے دنوں کی روئیداد:

پچھلے دنوں جمادی الثانیہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ میرے مخدوم بزرگ اور محترم استاد حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی نے مجھے یاد فرمایا۔ پہلے فرمایا تھا کہ ہم آنا چاہتے ہیں لیکن میں نے عرض کیا کہ میں خود حاضر ہو جاؤں تو حضرت نے مجھے یاد فرمایا اپنے جامعہ فاروقیہ میں۔ میں وہاں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت سے ٹیلی فون پر جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے پوچھا کہ کیا موضوع ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ بینکاری کے موضوع پر آپ

سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔ میں نے عرض کیا میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اگر مناسب سمجھیں تو اس کے لیے کوئی اجتماع بلا لیں تا کہ باہمی غور وفکر ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا صرف تم سے مشورہ کرنا ہے۔ چنانچہ میں وقت مقررہ پر حاضر ہوا تو وہاں دوسرے علمائے کرام بھی تشریف فرما تھے۔ کراچی کے کچھ مفتی حضرات تھے اور کچھ دوسرے علماء بھی تھے۔ اس موقع پر حضرت نے مجھے ایک تحریر پڑھ کر سنائی اور یہ فرمایا کہ ہم آپ کو یہ تحریر پڑھ کر سنا بھی رہے ہیں اور اس کی ایک نقل دیں گے بھی۔ چنانچہ حضرت نے وہ تحریر پڑھ کر مجھے سنائی۔

یہ تحریر میرے پاس موجود ہے لیکن ساری عبارت پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس تحریر کا خلاصہ یہ تھا کہ تم سے یہ بینکاری نظام جاری کرنے میں غلطی ہوئی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ یہ سننے میں بھی آیا ہے کہ شاید اس معاملے میں آپ اپنے آپ کو اعلم الناس سمجھتے ہیں۔ اگرچہ مجھے اس قول کی نسبت آپ کی طرف کرتے ہوئے شبہ ہوتا ہے لیکن اگر واقعی آپ نے ایسا کہا ہے تو یہ میاں مٹھو بننے کی بات ہے اور اگر واقعی ایسا نہیں کہا تو پھر اتنے دنوں سے علمائے کرام کے درمیان اضطراب پایا جاتا ہے تو آپ نے اس اضطراب کو دور کرنے اور لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہر حال غلطی پر ہیں کیونکہ اضطراب کسی غلطی پر ہی ہوا کرتا ہے۔ یہ تحریر حضرت نے مجھے مجمع میں سنائی۔ جب سنا چکے تو حضرت نے فرمایا: دعا کریں۔ میں نے عرض کیا حضرت میں کچھ عرض کروں؟ حضرت نے فرمایا مجھے ایر پورٹ جانا ہے۔ بات کرنے کا کوئی موقع نہیں۔ میں نے کہا: حضرت آپ نے مجھے مشورے کے لیے یاد فرمایا تھا۔ کہنے لگے: نہیں! میں نے مشورے کے لیے نہیں بلایا تھا۔ صرف یہ بات سنانے کے لیے بلایا تھا۔ غرض یہ کہ حضرت اس وقت تشریف لے گئے اور مجھے بات کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا۔

حضرت کے نام میرا خط:

بعد میں جب میں حضرت کے ہاں سے واپس آ گیا تو میں نے حضرت کے نام خط لکھا

جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کیونکہ اس وقت آپ نے مجھے کوئی موقع نہیں دیا تھا تو میں اب کچھ وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ پھر میں نے جو تفصیل آپ کو ابھی بتائی ہے، تو وہ میں نے حضرت کو خط میں لکھ دی اور یہ عرض کیا کہ اب بھی اس کے باوجود کہ یہ نظام ساری دنیا میں پھیل چکا ہے۔ صورتِ حال ایسی ہے کہ بینکاری کا نظام ایسا ہے کہ اس نے جگہ جگہ جال بچھا کر پنجے گاڑے ہوئے ہیں، لہٰذا بینک کے کسی ایک معاملے کو تبدیل کر دینے سے بسا اوقات فرق واضح نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے اکاؤنٹنگ کے طریقے الگ ہیں۔ آڈیٹنگ کے طریقے الگ ہیں۔ حسابات رکھنے کے طریقے الگ ہیں۔ ریٹنگ کے طریقے الگ ہیں۔ لہٰذا جب اسلامی ادارے قائم ہونا شروع ہوئے تو یہ احساس پیدا ہوا کہ جب تک اسلامی بینکوں میں اکاؤنٹنگ، آڈیٹنگ وغیرہ کے طریقے مختلف نہیں ہوں گے، اپنے طریقے الگ سے نہیں ہوں گے، اس وقت تک یہ نظام درست نہیں ہوسکتا اور ان میں سے کسی چیز کا نظام درست نہیں ہوسکتا، لہٰذا ان میں سے ہر ہر چیز کے لیے الگ ادارے قائم ہوئے۔

پھر کیونکہ دنیا میں مختلف بینک قائم ہو رہے تھے اور ہر بینک کا ایک شریعہ بورڈ ہے۔ اس کے اندر علماء ہیں۔ اب چونکہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جو غیر منصوص ہیں۔ ان کے بارے میں آرا میں اختلاف ہوجاتا ہے۔ ایک بینک کا شریعہ بورڈ کہہ رہا ہے یہ جائز ہے۔ دوسرے بینک کا شریعہ بورڈ کہہ رہا ہے ناجائز ہے۔ اب دونوں کے درمیان اگر معاملہ ہو تو کیسے ہو؟ اس غرض کے لیے ''مجلس المعایير الشرعیۃ'' قائم ہوئی کہ ایسے معاییر تیار کیے جائیں جو سب اداروں میں یکساں طور پر نافذ کیے جاسکیں۔ یہ ''المجلس الشرعي'' کے نام سے ہے۔ اس کا دفتر بحرین میں ہے لیکن اس کا اجلاس ہر چھ مہینے بعد ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں ہوتا ہے۔ اس میں ان بیس علماء کی جو مختلف اسلامی بینکوں کے اندر شریعہ بورڈ کے رکن کے طور پر کام کرتے ہیں، ان کی نمایندگی ہے۔ یہ مجلس اس بات کا جائزہ لیتی ہے کہ کس معاملے میں کیا معیار ہو؟ ''المعایير الشرعیۃ'' کے نام سے ایک جلد شائع ہوچکی

ہے۔اس میں تیس سے زیادہ معاییر ہیں۔بینکوں میں جو معاملات ہورہے ہیں ان میں کن احکام کو مدنظر رکھنا ضروری ہے؟ مضاربت میں کن احکام کو، مرابحہ میں کن کو اور اجارہ میں کن کو، وغیرہ وغیرہ۔

حضرت سے بات چیت:

تو میں نے عرض کیا تھا سارا کام اس طرح ہوا ہے کہ اس کو بیک جنبش قلم یہ کہنا کہ یہ سب غلط ہے، حرام اور ناجائز ہے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔اس کے بجائے اس میں اگر کوئی خامیاں ہیں......اور یقیناً ہوں گی......تو ان کو حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس غرض کے لیے میں نے کہا تھا کہ جیسے پہلے اجتماع ہوا تھا، ایک اور اجتماع کرلیا جائے۔ اس میں کھلے دل سے آزادی کے ساتھ غور کرلیا جائے کہ اگر کوئی قابل اصلاح امور ہیں تو ان کی اصلاح کرلی جائے۔ ہاں! اگر مایوسی ہوجائے کہ اس میں اب کوئی اصلاح ہو ہی نہیں سکتی تو پھر بات دوسری ہے۔ جب میں نے یہ خط لکھا تو حضرت والا خود دارالعلوم تشریف لائے۔حضرت نے علیحدگی میں بات کی۔ پہلے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کا بہت ہی ادنیٰ شاگرد ہوں اور نیاز مند ہوں۔ مجھے آپ ڈانٹیں بھی تو اس میں میری عزت افزائی ہوگی......لیکن چھوٹے کو شکایت کا حق ضرور ہوتا ہے۔ میری شکایت یہ ہے کہ عرصہ دراز سے آپ سے نیاز مندی ہے۔آنا جانا ہے۔ سفر حضر میں ساتھ رہے ہیں۔ ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔مشورے ہوتے رہے ہیں۔کبھی اشارۃً اور کنایۃً آپ نے اس موضوع کے بارے میں بات نہیں فرمائی اور آج آپ نے اچانک یہ تحریر مجھے دی اور اس کے بعد مجھے موقع نہیں دیا۔اس کا شکوہ مجھے ضرور ہے اور میں نے یہ بھی بے تکلف عرض کیا......کیونکہ بے تکلف مجلس ہے یہ بات بتانے میں کوئی مضائقہ نہیں......کہ آپ کے مشفقانہ طرز عمل سے یہ بات بہت ہی مختلف نوعیت کی نظر آرہی ہے تو اس واسطے مجھے شبہ ہوتا ہے کہ اس کے

پیچھے کوئی سازش نہ ہو۔ حضرت نے تقریباً ایک گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بات کی۔

کیا اسلامی بینکاری ممکن ہے؟

حضرت نے پوچھا کہ اسلامی بینکاری ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟ اس کا کوئی تصور ہے بھی یا نہیں؟ میں نے حضرت کی خدمت میں اب تک جو کام ہوا ہے اس کی تفصیل عرض کی۔ حضرت نے فرمایا: ''یہ بتاؤ! جب اسلامی بینک اسٹیٹ بینک کے تحت کام کرتا ہے اور اسٹیٹ بینک سودی نظام پر چل رہا ہے تو اسلامی بینک کیسے قائم ہو سکتا ہے؟'' میں نے عرض کیا: یہ وہی باتیں ہیں کہ اگر کسی وقت پہلے ان پر بات ہو جاتی تو شاید دو منٹ میں معاملہ ختم ہو جاتا، اس لیے کہ اسٹیٹ بینک بے شک نگرانی کرتا ہے لیکن اس نے غیر سودی بینکوں کے لیے الگ شعبہ، الگ نظام، الگ قواعد و ضوابط بنائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اسٹیٹ بینک کے کسی قاعدے کے نتیجے میں کسی غیر سودی بینک کو کسی غیر شرعی معاملے پر مجبور نہیں ہونا پڑتا۔ اس لیے یہ بات کہ اسلامی بینک اسٹیٹ بینک کے تحت ہیں تو اسلامی بینکاری نہیں ہو سکتی، یہ غلط ہے۔ خیر! کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے حضرت کے سامنے وہ تمام تفصیلات رکھیں جن پر اب تک کام ہوا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس مجلس کا بہت فائدہ ہوا کہ بہت سی باتیں جو میرے علم میں نہیں تھیں وہ آج علم میں آئیں، لیکن بہرحال کچھ فقہی اشکالات ہیں۔ ان کا کچھ حل ہونا چاہیے۔ میں نے کہا: بے شک! میں تو پہلے عرض کر چکا ہوں۔ ان کے لیے کوئی اجتماع بلا لیا جائے۔ اس میں ان مسائل پر غور و فکر ہو جائے اور باہمی مذاکرے کے ذریعے ان مسائل کا حل سوچ لیا جائے۔ میں نے یہ بھی عرض کیا: فرض کیجیے، اس مذاکرے کے نتیجے میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ سب غلط ہے تو مجھے ان شاء اللہ رجوع میں بھی تامل نہیں ہوگا۔ سب چھوڑ کر لکھ دوں گا کہ سب غلط ہے۔ لیکن گفتگو اور دلائل کے بعد ثابت ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا: ''یہ بات معقول ہے۔ لہٰذا ہم اجتماع بلائیں گے۔'' میں نے اس موقع پر

یہ بھی عرض کیا: حضرت آپ نے اپنی تحریر میں فرمایا تھا، ہم نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ ایک فتویٰ اسلامی بینکاری کے عدم جواز پر مرتب کر کے وسیع پیمانے پر اس کی تشہیر کی جائے گی۔ آپ نے جب یہ فیصلہ کرلیا ہے تو جو اجتماع بلائیں گے، اس کا تو کوئی فائدہ نہیں۔ جب تک کہ جانبین کے دل کھلے ہوئے نہ ہوں اور ان کے ذہن کھلے ہوئے نہ ہوں کہ جو بھی صورت ہوگی اس کے مطابق عمل ہوگا۔ حضرت نے فرمایا: ''نہیں! ہمارے اور آپ کے درمیان جو بات تھی وہ ختم ہوگئی لہٰذا اب ایسا نہیں ہوگا۔ اجتماع کے لیے ضابطۂ اخلاق آپ خود تجویز کرلیں۔ جگہ خود تجویز کرلیں۔ لیکن آج کل وہ حضرات جن کو ہم جمع کرنا چاہتے ہیں وہ موجود نہیں ہیں لہٰذا کچھ عرصے کے بعد ہم خود آپ سے رابطہ کر کے اس اجتماع کا انعقاد کریں گے۔'' بات ختم ہوگئی۔ خوشگوار ماحول میں ہوگئی اور ہمیں اطمینان ہوا کہ اب جتماع ہوگا تو اس میں گفتگو ہو جائے گی۔

یہودیوں کی میرے خلاف مہم:

بعد میں جب کافی دن گزر گئے اور اجتماع نہیں ہوا۔ ہمارے ہاں ممتحنین کا اجتماع تھا۔ حضرت والا تشریف لائے ہوئے تھے۔ مجھ سے قاری حنیف جالندھری صاحب نے فرمایا تھا کہ جب حضرت تشریف لائیں گے اس وقت آپ سے رابطہ کر کے اجتماع کے بارے میں کچھ فرمائیں گے۔ جب کافی دن گزر گئے تو میں نے خود حاضر ہو کر حضرت کو یاد دہانی کرائی۔ حضرت سے میں نے عرض کیا اس اجتماع کے بارے میں کیا ارادہ ہے؟ حضرت نے پہلے یہ فرمایا کہ مجھے پتا چلا ہے کہ آج کل یہودی تمہارے خلاف بہت مضمون لکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا: حضرت! ایسا تو ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب میرے خلاف امریکا، برطانیہ کے اخبار اور نیٹ پر مغلظ گالیاں نہ آتی ہوں اور یہ اس حوالے سے آتی ہیں کہ یہ مالیاتی اداروں کے شریعہ بورڈز کا چیئرمین ہے اور یہ جو کچھ حکم جاری کر دیتا ہے اس کے

مطابق ادارے کام کرتے ہیں۔ ایک واقعہ بیچ میں ہوا تھا کہ کچھ اسلامی بینکوں نے ''صکوک'' جاری کیے تھے۔ ''شہادات الاستثمار'' قسم کی چیز جاری کی تھی۔ وہ میرے نزدیک شرعاً جائز نہیں تھی۔ اس میں بلینز کا کاروبار ہورہا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں بیان دیا تھا جو مشرق وسطیٰ میں چھپا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ پچاسی فیصد صکوک کا کاروبار حرام ہے۔ غیر اسلامی ہے۔ اس کے نتیجے میں صکوک کی مارکیٹ میں بہت ہلچل مچ گئی تھی اور اس کے نتیجے میں وہ تقریباً رک گیا۔ تو اس پر یہودی میڈیا نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے بیان کے نتیجے میں اتنی بڑی مارکیٹ ٹھپ ہوکر رہ گئی تھی۔ ایسا آدمی تم نے بٹھایا ہوا ہے جو مالیاتی اداروں پر حکمرانی کررہا ہے اور یہ جہادی آدمی ہے۔ اس کا یہ موقف چھپا ہوا ہے کہ جہاد صرف دفاعی نہیں ہوتا بلکہ اقدامی بھی ہوتا ہے اور اقدامی جہاد بھی جائز ہے تو اس قسم کا شخص جو جہادی، تشدد پسند، ٹیررسٹ، دہشت گرد ہے، دینی مدارس سے تعلق رکھنے والا ہے، اس کے ہاتھ میں سارے مالیاتی اداروں کی باگ ڈور دے رکھی ہے اور اس کے نتیجے میں یہ ہورہا ہے۔ ایسے بیانات روز آرہے ہیں۔ آج بھی آیا۔ کل بھی آیا۔ تو حضرت کو بھی کسی نے کہیں سے بتادیا تھا تو فرمایا کہ سنا ہے یہودیوں کے بہت سے مضامین آپ کے خلاف آرہے ہیں۔ میں نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: وہ تو اس لیے کررہے ہوں گے کہ اس عمل سے ان کے مفادات کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ میں نے کہا: بظاہر یہی وجہ نظر آتی ہے۔

اجتماع کی ضرورت پر میرا زور:

فرمانے لگے: ''کوئی نظام ایسا ہونا چاہیے، لیکن وہ نظام فقہی اشکالات سے خالی ہونا چاہیے۔'' میں نے کہا یہ بالکل صحیح بات ہے اور اسی لیے ہم نے سوچا تھا کہ وہ اجتماع ہوجائے اور اس پر گفتگو ہوجائے۔ میں نے کہا اب اس کا طریقہ کیا ہے؟ کیا ہوگا؟ کس طرح ہوگا؟ حضرت نے فرمایا کہ ہماری میٹنگیں ہورہی ہیں۔ میں نے پوچھا کس کی ہورہی ہیں؟ تو

انہوں نے نام لیا کہ یہ حضرات جمع ہو رہے ہیں اور فرمایا کہ کل ہم صبح 10 بجے جمع ہوئے تھے اور شام تین بجے تک ہم نے صرف خواندگی کی ہے اور اس میں طے ہوا تھا کہ درمیان میں کوئی بولے گا نہیں بلکہ تحریر کی صرف خواندگی کی جائے گی۔ چنانچہ کل صبح دس بجے سے تین بجے تک اس تحریر کی خواندگی ہوئی ہے، لیکن ابھی وہ مکمل نہیں ہوئی ہے۔ میں نے کہا: حضرت! وہ اجتماع کیسے ہوگا؟ اور وہ تحریر اگر اس طرح تیار ہوگئی ہے تو کیا ہم اسے دیکھیں گے؟ اس پر غور کریں گے؟ فرمایا: ''میں ابھی اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جو حضرات تحریر تیار کر رہے ہیں وہی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں گے۔'' میں نے عرض کیا: طے تو یہ ہوا تھا کہ ہم بیٹھ کر ان اشکالات پر غور کریں گے اور مشورہ کریں گے۔ حضرت نے فرمایا: ''ان کا کہنا ہے کہ اگر وہ تحریر آپ کے سامنے لائی جائے گی تو آپ کہہ دیں گے کہ یہ بھی ایک رائے ہے اور ہماری بھی ایک رائے ہے۔ ہم غور کریں گے۔'' میں نے عرض کیا: حضرت! اجتماع کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دونوں فریق دونوں قسم کے احتمال ذہن میں رکھیں۔ ہوسکتا ہے کہ اشکال ایسا ہو کہ اس کا جواب ہو سکے۔ ہوسکتا ہے وہ اشکال ایسا ہو کہ ہم جو سمجھ رہے تھے وہ غلط ثابت ہو تو ہم اس سے رجوع کر سکیں تو احتمال تو پھر دونوں ہونے چاہییں۔ فرمانے لگے: ''بہرحال یہ فیصلہ وہ حضرات کریں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں مفتی نہیں ہوں اور مجھے ان معاملات میں زیادہ معلومات بھی نہیں ہیں۔'' میں نے عرض کیا: آپ میرے استاد ہیں۔ فرمانے لگے کہ ہر آدمی کی ایک فیلڈ ہوتی ہے۔ میدان ہوتا ہے۔ فتویٰ میرا میدان نہیں ہے، لیکن میں مفتی حضرات کے کہنے پر یہ کام کر رہا ہوں۔ میں نے کہا: بہرحال! اب یہ فرمایئے کہ پہلے آپ نے فرمایا تھا کہ تم نے مطمئن نہیں کیا تو اب ایسا نہ ہو کہ بعد میں آپ مجھ سے یہ فرمائیں۔ تو کیا اس میں میرے کرنے کا کچھ کام ہے؟ حضرت نے فرمایا: ''تمہارے کرنے کا کوئی کام نہیں ہے۔'' میں نے عرض کیا: ٹھیک ہے۔ آپ تحریر تیار فرمائیں گے تو اس کے بعد کیا ہوگا؟ فرمانے لگے: ''فیصلہ تو وہی کریں گے جو لوگ یہ کام کر رہے ہیں۔'' میں نے عرض کیا: ٹھیک ہے۔ فیصلہ کرلیں لیکن ایک بات مدنظر

رہے: ”لَا تَقْضِ لِأَحَدِ الْخَصْمَيْنِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخَرِ“ [”دو فریقوں میں سے کسی ایک کے حق میں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ کرو جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو“ حدیث شریف] اس پر حضرت نے فرمایا: ”نہیں! تمہارا موقف تو کتابوں اور تحریروں میں چھپا ہوا ہے لہٰذا بس یہ کافی ہے۔“ اس پر بات ختم ہو گئی۔

کچھ باتیں متعلقہ فتویٰ کے بارے میں:

اس کے بعد پھر اچانک معلوم ہوا کہ اجتماع ہوا اور اس کے اندر یہ فتویٰ شائع ہوا جو اخبارات میں چھپا۔ تو یہ تھی واقعات کی تفصیل۔ میں نے آپ کے سامنے اس لیے عرض کر دی کہ اس میں طرح طرح کی افواہیں، طرح طرح کی غلط سلط باتیں لوگوں میں مشہور ہو رہی تھیں تو اس لیے اس کی حقیقت میں نے آپ کے سامنے عرض کر دی۔ میں نے پہلے عرض کیا کہ یہ طرزِ عمل کیسا ہے؟ یہ معاملہ الگ ہے لیکن فی نفسہٖ معاملہ دین کا ہے لہٰذا اگر ہمارے طرزِ عمل میں کوئی بات غلط ہے تو وہ غلط ہے، چاہے کسی کا طرزِ عمل کیسا بھی ہو؟ اگر کوئی بات صحیح ہے تو صحیح ہے۔ اگر کچھ اشکالات ہیں تو ان پر غور کیا جائے اور دیکھا جائے۔ چنانچہ جو فتویٰ شائع ہوا اس میں کوئی دلیل نہیں تھی اور نہ ہی عدم جواز کی وجہ بیان کی گئی تھی۔ ہم اس کے انتظار میں رہے کہ جن بنیادوں پر فتویٰ دیا گیا ہے وہ بنیادیں سامنے آئیں۔ وہ اشکالات سامنے آئیں۔ کافی دن تک اس پر کوئی تحریر دلائل کے حوالے سے سامنے نہیں آئی۔ معلوم یہ ہوا تھا کہ یہ تحریر جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے کسی مفتی صاحب نے لکھی تھی۔ میں رمضان کے مہینے میں اتفاق سے قریب سے گزر رہا تھا۔ دل میں خیال آیا کہ میں ان کے پاس جا کر درخواست کروں جو تحریر آپؒ نے تیار کی ہے اس کو لوں اور اس سے استفادہ کروں۔ چنانچہ میں گیا تو دارالافتاء کے جو ذمہ دار حضرات تھے ان سے میں نے درخواست کی...... چونکہ تھے تو اپنے ہی لوگ...... اس لیے میں نے بے تکلفانہ کہا کہ ہم آپ

کے ساتھ بیٹھ کر کسی مسئلے کے سمجھنے اور سمجھانے کے اہل تو ہیں نہیں، لیکن سنا ہے کہ آپ نے کوئی تحریر لکھی ہے۔ اگر آپ ہمیں اس کا اہل سمجھتے ہوں کہ ہم اس کو پڑھ لیں تو وہ تحریر ہمیں عنایت فرمادیں۔ ہم بھی اس سے استفادہ کر لیں۔ یہ میں نے ان سے عرض کیا۔ وہ اس پر حتمی جواب نہ دے سکے۔ غالباً یہ فرمایا تھا کہ ابھی پوری طرح تیار نہیں ہے۔ بعد میں جب تیار ہو جائے گی تو ان شاء اللہ بھیج دیں گے...... لیکن وہ نہیں آئی۔ یہاں تک کہ رمضان بھی گزر گیا۔ شوال کا بھی کافی حصہ گزر گیا۔ پھر مجھے وہ تحریر کسی اور ذریعے سے پہنچی۔ ان کی طرف سے ابھی تک نہیں آئی۔ پتا نہیں یہ وہ تحریر ہے جو مطبوعہ شکل میں شائع ہونے والی ہے یا کوئی اور ہے۔ بہر حال ایک ذریعے سے مجھ تک پہنچی تو میں نے اس کا مطالعہ کیا۔

معاشیات کا موضوع اور میں:

مطالعہ کے بعد آپ سے بغیر کسی تصنع اور تکلف کے عرض کرتا ہوں کہ چونکہ میں اس میدان میں ضرورت کی بنا پر داخل ہوا ہوں۔ درحقیقت یہ میری دلچسپی کا موضوع نہیں ہے اور ایسا نہیں ہے کہ جیسے کوئی چیز آدمی کی امنگوں کا موضوع ہوتی ہے، دلچسپی کا موضوع ہوتی ہے کہ دن رات آدمی اس کے متعلق سوچتا رہتا ہے۔ اس کو اس میں مزا آتا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ میں نے ایک سیمینار میں بات کہی تھی۔ شاید وہ غلط نہیں تھی۔ شاید کیا، یقیناً غلط نہیں ہے۔ میں نے کہا تھا: میں اس میں ایک ضرورت کے تحت داخل ہوا تھا اور وہ ضرورت ایسی ہے جیسے آدمی کو بیت الخلا جانے کی ضرورت ہوتی ہے تو آدمی جاتا ہی ہے، لیکن یہ اس کی سوچ کا، اس کی امنگوں کا مرکز نہیں ہوتا کہ بیت الخلا جاؤں گا اور وہاں بیٹھوں گا۔ یہی صورتِ حال میری اس موضوع سے متعلق بھی ہے۔ معاشیات کا پورا موضوع، میں اس میں محض ضرورتاً داخل ہوا تھا...... یہ میری ذاتی دلچسپی کا موضوع نہیں ہے اور کیونکہ اس میں بے شمار گھاٹیاں ہیں اور اس کا نظام بڑا پیچیدہ ہے اور اس کے اندر طرح طرح کے مسائل ہیں، اس

واسطے میں ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا رہتا ہوں: ''یا اللہ! مجھے اس میں گمراہی کے راستے سے بچایئے گا۔'' لہٰذا جو تحریریں یا باتیں تنقید کے حوالے سے آتی ہیں، اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ میں اس کو اس نکتۂ نظر سے پڑھتا ہوں کہ اگر واقعتاً کوئی غلطی ثابت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ کردے۔ اس نیت سے میں نے یہ تحریر پڑھی اور پوری پڑھی اور چونکہ اس تحریر کے حوالے سے بہت سی باتیں سامنے آئیں گی اس لیے میں تھوڑا سا اس پر تبصرہ کردوں۔

کچھ تبصرہ متعلقہ تحریر پر:

یہ تحریر کسی بہت اچھے صاحبِ قلم کی لکھی ہوئی ہے۔ ان کی مضمون نگاری کا سلیقہ بہت اعلیٰ قسم کا ہے اور انہوں نے اس میں بہت ہی شستگی کے ساتھ یہ کیا ہے کہ شروع میں تحریر کا کافی بڑا حصہ...... یہ تقریباً ڈھائی سو صفحے کی تحریر ہے...... میری عزّت افزائی پر مشتمل ہے اور اس میں میرے لیے ایسے ادب واحترام اور تعظیم کا انداز اختیار کیا گیا ہے جس کا میں استحقاق نہیں رکھتا۔ بہت زیادہ عزّت افزائی کی ہے...... لیکن ساتھ میں شروع میں موقف یہ اختیار کیا ہے کہ میں نے مختلف تحریروں میں اسلامی بینکاری کے متعلق جو لکھا ہے اور جن قیود وشرائط کے ساتھ مختلف معاملات کو جائز قرار دیا ہے، وہ اپنی جگہ درست ہے۔ بعض جزوی باتوں اور تسامحات کے علاوہ وہ بحیثیت مجموعی درست ہے۔ اگر ان شروط وقیود کو باقاعدہ عمل میں لایا جاتا تو وہ یقیناً درست ہوتا۔ لیکن بینکاروں نے ظلم یہ کیا کہ ان شرائط کا لحاظ نہیں رکھا اور ان کی بتائی ہوئی قیود وشروط کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے سارا نظام خراب ہوگیا۔ اس طرح انہوں نے تقی عثمانی پر ظلم کیا۔ ظلم یہ کیا کہ ان قیود وشرائط کو مدنظر رکھا نہیں اور اپنے آپ کو اسلامی کہنا شروع کردیا۔ پھر انہوں نے فرمایا: یہ سوال قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ جب مولانا کی بتائی ہوئی قیود وشروط کا لحاظ نہیں رکھا تو ان کو چاہیے تھا کہ بینکوں سے براءت کا اظہار کرتے۔ اس کے جواز کا فتویٰ نہ دیتے۔ اس کا دفعِ دخلِ مقدر (یعنی جواب) اس طرح کیا گیا ہے کہ: ''مولانا نے باوجود اس کے کہ بینکوں نے قیود وشروط کا لحاظ نہیں رکھا لیکن

اپنے ''موروثی تسامح'' کی بناپر رواداری سے کام لیا۔'' اس ''موروثی تسامح'' کی تشریح جو اس تحریر کے صفحہ 19 پر ہے، کچھ یوں ہے:

''یہ انتباہ ضروری ہے کہ جس طرح علامہ شبیر احمد عثمانی کے نظریۂ پاکستان اور آپ کی مہیا کردہ دساتیر اور قراردادیں اخلاص وللّٰہیت سے پُر تھیں۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح ہمارے شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب کے اخلاص وللّٰہیت میں کامل اور آپ کے مہیا کردہ نظام کے فی الجملہ قابلِ نفاذ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا۔ مگر ہزار ہا افسوس! خانوادۂ عثمانی کے ان دونوں آفتاب ومہتاب کے ساتھ ان کے خود غرض، غیر مخلص، دُنیادار رُفقا نے ان کے ساتھ ناانصافی کا ایسا معاملہ رکھا جس کی سزا اہلیانِ وطن نجانے کب تک بھگتتے رہیں گے؟''

آگے لکھا ہے کہ جس طرح حضرت علامہ عثمانی مخلص بھی تھے اور مظلوم بھی، اسی طرح یہ بھی مخلص اور مظلوم بھی ہیں۔ پھر ایک حوالہ یہ بھی موجود ہے، اس میں کہ جس طرح حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے جمعیت علمائے اسلام کے جھنڈے کے بارے میں ''جواہر الفقہ'' میں لکھا تھا۔ اس جھنڈے کو علمِ نبوی کہا جارہا تھا۔ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے لکھا تھا اگرچہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے مشابہ ضرور ہے لیکن اس کو علمِ نبوی سے تعبیر کرنا اور اس کے ذریعے اپنی فوقیت جتلانا ٹھیک نہیں ہے۔ اس طرح بینکوں کے ساتھ اسلامی کا لفظ لگانا درست نہیں۔

تقریباً 90 فیصد:

خلاصہ یہ ہے کہ پہلے حصے میں یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ بحیثیتِ مجموعی میں نے جو تجویزیں پیش کی تھیں وہ درست تھیں لیکن ان پر عمل نہیں کیا گیا۔ عمل نہ ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ کس طرح عمل نہیں ہوا؟ اس کے لیے انہوں نے آگے لکھا ہے، ہم نے کوشش کی کسی طرح وہ معاہدات بینکوں سے حاصل کیے جائیں جن کی بنیاد پر معاملات ہوتے ہیں۔ لیکن

وہ ہمیں مہیا نہ ہو سکے۔ وہ معاملات، وہ عقود اور جن کاغذات کی بنیاد پر کارروائی ہوتی ہے ہم باوجود مختلف کوششوں کے حاصل نہ کر سکے۔ اس میں یہ واضح نہیں ہے کہ کیا کوششیں تھیں کاغذات حاصل کرنے کی؟ اگر وہ مجھے ذرا سا ٹیلی فون کر دیتے کہ ہمیں کاغذات درکار ہیں تو اس کے مہیا کرنے میں نہ پہلے کوئی تامل ہوا ہے نہ آج ہوا ہے۔ جن لوگوں نے چاہا ہے ان کو مہیا کر دیے گئے ہیں۔ پھر ان کاغذات کے مہیا نہ ہونے کی صورت میں ایسا لگتا ہے کہ بعد میں کسی صاحب سے، ڈاکٹر ارشد زمان سے انہوں نے یہ معاہدات حاصل کیے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک دفعہ استفتاء بھیجا تھا۔ مجھ سے خود آ کر انہوں نے کہا کہ میزان بینک کے کاغذات کا معاینہ کرنے کے بعد مجھے کچھ اشکالات ہوئے ہیں۔ وہ میں آپ سے اس استفتاء کے ذریعے حل کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے معلوم ہے کہ آپ بہت مصروف ہیں۔ آپ کے بیٹے ہیں عمران میاں۔ ان کے سپرد کر دیں۔ میں نے ان کے سپرد کر دیا۔ اب تو مجھے یاد بھی نہیں رہا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ بہرحال ان کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے ان کے ساتھ کچھ نشستیں رکھیں۔ ان نشستوں کے نتیجے میں ان کے [مولانا عمران اشرف کے] ذہن پر یہ تاثر رہا کہ گویا وہ معاملات حل ہو گئے ہیں۔ یعنی بات ختم ہو گئی ہے۔ اس لیے کہ وہ کئی نشستوں میں آئے بھی اور دعوتیں بھی ہوئیں۔ میں نے وہ اشکالات دیکھے بھی نہیں تھے۔ ان کے [مولوی عمران کے] حوالے کر دیے تھے۔ اس کے بعد پھر ان سے کئی کانفرنسوں میں ان کی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان کا یہ تاثر رہا کہ معاملہ حل ہو گیا، بات ختم ہو گئی ...... لیکن تحریری جواب واقعتاً نہیں ہوا تھا۔ تو وہ سوال کہیں سے ان کو مل گیا تھا۔ اس کی بنیاد پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ جو معاملات ہو رہے ہیں غلط ہیں۔ اب میں نے جب اس کو پڑھا تو پڑھنے کے نتیجے میں یہ کہنے میں مبالغہ نہیں ہوگا کہ 90 فیصد اعتراضات واقعے کے مطابق نہیں۔ یعنی جس بات پر اعتراض ہے واقعہ اس طرح نہیں ہے۔ 90 فیصد تقریباً۔

مثلاً: یہ لکھا ہے عقدِ مضاربت کے لیے ضروری ہے کہ تناسب معلوم ہو رَبُّ المال کا کیا نفع ہوگا اور مضارب کا کیا ہوگا؟ جبکہ یہ اسے معلوم نہیں ہوتا...... حالانکہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اور بہت سی جزئیات کے بارے میں ایسی باتیں ہیں جو حقیقت کے خلاف ہیں۔ اگر وہ صرف ایک دفعہ بیٹھ کر کاغذات کو صحیح تناظر میں پڑھ لیں یا سمجھ لیں تو وہ اِعتراضات دُور ہو جائیں۔ 90 فیصد تقریباً ایسے ہی ہیں۔ اس دوران اتفاق سے یہاں لاہور سے ایک تحریر جو کہ مفتی حمیداللہ جان صاحب کی طرف سے لکھی گئی ہے، مجھے پرسوں ملی۔ مولانا شیر محمد صاحب نے فرمایا کہ اس کو دیکھ لینا۔ میں نے اس کو بھی دیکھ لیا۔ اس میں بھی تقریباً ایسا ہی ہے کہ 80، 90 فیصد معاملات ایسے ہیں جن کی ان کو غلط اطلاع دی گئی ہے۔ اگر ان کی چیکنگ کرنا چاہیں تو آج بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن کچھ اُمور ایسے ہیں کہ ان پر جو تنقید کی گئی ہے، وہ واقع کے مطابق ہے اور ان کا تعلق واقعی فقہی معاملات سے ہے۔ ان کا تھوڑا سا خلاصہ میں آپ حضرات کے سامنے عرض کر دیتا ہوں۔

کیا اسلامی بینکاری محض حیلہ ہے؟

ایک بڑا زبردست اور سب سے زیادہ عام اِعتراض یہ ہے کہ اسلامی بینکاری میں جو کچھ ہے وہ سب حیلہ ہے۔ حیلہ سازی کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ سوال کافی حد تک درست بھی ہے اور بعض لحاظ سے غلط بھی ہے۔ بات یہ ہے جو میں پہلے بھی کہتا تھا، اب بھی کہتا ہوں کہ مشکل اس آدمی کے لیے ہے جو اِعتدال پر قائم ہو۔ اِفراط بھی آسان ہے اور تفریط بھی آسان ہے۔ یہ کہہ دینا کہ سب حرام ہے، یہ بھی آسان ہے۔ اور یہ کہہ دینا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ سو فیصد درست کر رہے ہیں، اس میں ہمیں کسی اضافے کی ضرورت نہیں، یہ بھی آسان ہے......

صورتِ حال یہ ہے کہ روزِ اوّل سے، جس دن سے میں نے اس میدان میں قدم

رکھا، اس دن سے آج تک کی میری تحریر اور تقریر میں دو پہلو ساتھ ساتھ مذکور رہے۔ ایک پہلو یہ کہ ایک تو ہیں اسلام کے معاشی نظام کے اعلیٰ مقاصد جن کے ذریعے معاشرے میں معاشی صلاح وفلاح کا دروازہ کھل سکتا ہے اور جن کے ذریعے دُنیا سرمایہ داری، کمیونزم اور سوشلزم کے ظالمانہ نظام سے بچ کر انصاف کے نظام کی طرف جا سکتی ہے، اس کے لیے جو چیز سب سے زیادہ مفید ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ان بینکوں کا سارا نظام شرکت ومضاربت کی بنیاد پر قائم ہو اور ان کے سارے معاملات شرکت ومضاربت کی بنا پر ہوں۔ یہ بات ہر فرد کو ہر قدم پر کہتا رہا، البتہ شرکت ومضاربت سے ہٹ کر کچھ ایسے معاملات بھی ہیں جن سے اگرچہ بہت اعلیٰ مقاصد حاصل نہ ہوں، لیکن معاملہ جواز کی حدود میں آجاتا ہے اور جواز کی حدود میں آجانا یہ بھی ایک کامیابی ہے۔ اس معنیٰ میں کہ حرام سے بچ کر آدمی ایک جائز معاملے کی طرف آجائے، چاہے وہ جائز معاملہ اگرچہ اعلیٰ درجے کے اسلامی معاشی مقاصد سے ہم آہنگ نہ ہو، لیکن جواز کی حد میں آجائے تو ایک مسلمان کے لیے یہ بھی ایک بڑی نعمت ہے۔ یہ میں ہمیشہ کہتا آیا ہوں۔ میں جب بینکوں سے مخاطب ہوتا ہوں یا جب میں حکومتوں سے مخاطب ہوتا ہوں تو وہاں میرا زور اس پر ہوتا ہے کہ مرابحہ، اجارہ اور شرکت متناقصہ ان سے نکل کر آپ اعلیٰ مقاصد کی طرف جائیں جو شرکت ومضاربت سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ جب وہاں میرا خطاب ہوتا ہے تو میں اس پر زور دیتا ہوں، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں دوسرے طریقوں کو ناجائز سمجھتا ہوں۔ یہ مروجہ طریقے جائز ہیں، لیکن جائز ہونے کے ساتھ ساتھ یہ ہماری آخری منزل نہیں اور نہ ان سے شرعی معاشی نظام کے پورے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ کچھ اب بھی حاصل ہو رہے ہیں۔ جیسے میں ابھی تھوڑی دیر میں عرض کروں گا، ان شاء اللہ، لیکن بڑے مقاصد وہ شرکت اور مضاربت ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ان کے ذریعے حاصل نہیں ہو سکتے۔ یہ میں ہمیشہ خطاب کے دوران کہتا ہوں...... لیکن ہمارے ان احباب نے ہمیشہ میرے پہلے حصہ کو لیا کہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف وہی [شرکت ومضاربت] جائز ہیں۔ باقی سب [مرابحہ، اجارہ وغیرہ] ناجائز ہیں۔ میرا مقصد کم از کم یہ نہیں ہے۔ میں دوسرے طریقوں کو بھی حدود وقیود کے ساتھ جائز سمجھتا ہوں اور اس سے بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں کہ ساری اُمت سود میں بہتی چلی جائے۔ اس کے مقابلے میں اس کو بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں، لیکن ساتھ ساتھ یہ ہے کہ میں ان اعلیٰ مقاصد کی طرف دعوت دیتا رہتا ہوں اور میری کوئی نشست اس سے خالی نہیں ہوتی۔

میری گفتگو کا اصل سیاق:

بسا اوقات مجھ پر مختلف سیمناروں میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایک طرف آپ مرابحہ کو جائز کہتے ہیں اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ اس کو کم کرو اور شرکت کی طرف بڑھو۔ جب مرابحہ جائز ہے تو ساری عمر کرتے رہنے میں کیا حرج ہے؟ تو میں اس کا جواب دیتا تھا کہ بھئی دیکھو! کوئی شخص کسی درد اور تکلیف میں مبتلا ہو تو پہلا کام اس کی ابتدائی طبی امداد ہوتی ہے۔ ابتدائی طبی امداد میں پین کلر دی جاتی ہے تاکہ تکلیف کم ہو اور رک جائے۔ اب اگر کوئی شخص کہے کہ پین کلرز سے پورا علاج نہیں ہوتا۔ یہ تو بے کار ہے۔ یہ بھی غلط...... اور کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ ساری عمر پین کلرز ہی کھاتا رہے اور کبھی اصل علاج کی طرف نہ جائے...... تو وہ بھی غلط ہے۔ یہ دونوں انتہائیں غلط ہیں۔ پین کلر کا درجہ پین کلر کا ہے اور اصل علاج کا درجہ اصل علاج کا ہے۔ تو یہ دو باتیں ہیں جو ہمیشہ میں ساتھ ساتھ کہتا رہتا ہوں۔ چونکہ میں ہر جگہ یہ کہتا ہوں تو کچھ احباب کہتے ہیں کہ فلاں مجلس میں اس نے کہا تھا کہ یہ اس پر مطمئن نہیں ہیں اور فلاں مجلس میں کہا تھا کہ یہ مقاصد پورے نہیں کرتے۔ جبکہ اصل جو سیاق ہے میری گفتگو کا وہ یہ ہے۔

مرابحہ کیا ہے؟

اب میں تھوڑی سی تفصیل میں آتا ہوں۔ مرابحہ کیا ہے؟ مرابحہ آپ سب حضرات

جانتے ہی ہیں لہٰذا اس کی طرف اشارہ ہی کافی ہوگا۔ ''مرابحہ مؤجلہ'' یہ ہوتا ہے کہ بینک کے پاس پہلے کوئی شخص پیسے لینے آتا تھا۔ اس کو روئی خریدنی ہے اور اس کے پاس پیسے ہیں نہیں۔ پیسے لینے آیا تو سودی بینک اس کو سود پر پیسے دیتا تھا۔ اب مرابحہ مؤجلہ میں یہ کرتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ اس کو روئی خریدنے کے لیے پیسے قرض دیں اور پھر اس سے سود وصول کریں، یہ کہتے ہیں کہ ہم روئی خود خرید لیتے ہیں اور خرید کر آپ کو ادھار فروخت کردیتے ہیں اور مؤجل ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے اوپر نفع کا اضافہ کرلیا جاتا ہے۔ اس کو ''بیع بالاجل'' کہہ لو یا مرابحہ ہے تو ''مرابحہ مؤجلہ'' کہہ لو۔ اس پر اعتراض یہ ہے جو اس تحریر میں بھی ہے کہ حیلہ کرنے کے لیے مرابحہ اور مؤجلہ دونوں کو ضم کردیا گیا ہے اور یہ حیلے کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان دونوں کو جمع کرنا کوئی مصنوعی کارروائی نہیں ہے۔ مرابحہ اور مؤجلہ میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ دو مادے افتراق کے اور ایک مادہ اجتماع کا ہے: (1) ہوسکتا ہے مؤجلہ ہو اور مرابحہ نہ ہو (2) اور ہوسکتا ہے مرابحہ ہو، مؤجلہ نہ ہو (3) اور ہوسکتا ہے کہ بیع مؤجل بھی ہو اور مرابحہ بھی ہو، لہٰذا یہ کوئی مصنوعی کارروائی نہیں ہے۔

مرابحہ مؤجلہ، جواز اور ثبوت:

یہ بات میں عرض کردوں کہ آپ سب حضرات واقف ہیں کہ بیع مؤجل میں قیمت زیادہ کرکے وصول کرنا سب کے نزدیک جائز ہے۔ تمام ائمہ اربعہ کے نزدیک۔ صرف اتنی بات نہیں کہ صرف جائز ہے...... بلکہ میں جس زمانے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ لکھ رہا تھا تو اس وقت الحمدللہ تفاسیر کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ اس وقت پہلی بار یہ بات سامنے آئی کہ یہ جو قرآن کریم میں فرمایا کہ مشرکین کہتے ہیں: ''اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا'' میرے ذہن میں مدت سے یہ اشکال تھا کہ موقع تو یہ تھا کہ کہا جاتا: ''انما الربوا مثل البیع'' چونکہ وہ

ربا کو جائز قرار دینا چاہتے تھے تو یوں کہتے: ''انما الربا مثل البیع.'' لیکن انہوں نے تو اُلٹا کہا: ''إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا......'' تو یہ سوال کھٹکتا تھا میرے دل میں کافی دنوں سے۔ جب میں نے تفاسیر کا مطالعہ کیا تو وہاں ایک روایت ملی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد سے روایت نقل کی ہے جس سے بات واضح ہوئی۔ (۱) انہوں نے کہا کہ اصل میں ان کا یہ جو قول تھا: ''إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا......'' یہ ایک خاص پس منظر میں تھا۔ وہ یہ کہ جب کوئی شخص بیع کرتا تھا مؤجل ...... اور بیع مؤجل میں وہ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرتا تھا۔ دس کے بجائے مثلاً پندرہ لیے اجل کی وجہ سے تو اس کو مسلمان جائز کہتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس پر کوئی ممانعت نہ تھی۔ پھر جب وہ وقت پر ادائیگی نہ کرتا تو اس سے کہا جاتا: ''إِمَّا أَنْ تَقْضِيَ وَإِمَّا أَنْ تُرْبِيَ؟'' (یا پیسے ادا کرو یا قیمت میں اضافہ کرو) تو یہ کیسے ناجائز ہوا؟ ان کا اعتراض یہ تھا کہ جب ہم پہلی بیع کر رہے ہیں اور اس میں اجل کی بنا پر اضافہ کر رہے ہیں، اس کو تو آپ جائز کہتے ہیں اور اس کے بعد اگر وہ مزید اجل مانگے اور ہم اجل کی وجہ سے اضافہ کرتے ہیں تو آپ ناجائز کہتے ہیں۔ درحقیقت بیع سے ان کی مراد بیعِ مؤجل تھی۔ وہ مؤجل جس میں ثمن کی تاخیر کی وجہ سے اضافہ کر دیا گیا ہو۔ اس لیے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الزام دینے کے لیے کہا آپ ربا کو کیسے حرام کہتے ہیں؟ اگر ربا حرام ہے تو یہ بیع بھی حرام ہے۔ کیونکہ اس بیع میں بھی اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ روایت بتا رہی ہے کہ اجل کی بنا پر قیمت میں اضافہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے چلا آ رہا ہے اور اس زمانے میں مشرکین کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض یہ تھا کہ آپ نے اس بیع کو جائز قرار دیا جس میں اجل کی بنا پر قیمت میں اضافہ کیا گیا تھا تو اس میں اور ربوا میں کیا فرق ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: ''وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا'' اب اگر ''اَلْبَيْعُ'' سے مراد پہلی مرتبہ بیع مؤجل ہے تو ''اَلْمَعْرِفَةُ إِذَا أُعِيدَتْ مَعْرِفَةً كَانَتِ الثَّانِيَةُ

عَیۡنَ الۡاُوۡلٰی'' کے اصول کی رو سے ''اَلۡبَیۡعُ'' کے بعد جب ''أَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَیۡعَ'' کہا تو وہی بیع مراد ہوگی جس کے لیے دوسرا قول تھا، لہٰذا اس آیت کے شانِ نزول کے مطابق بیع مؤجل کا جواز اور بیع مؤجل کی صورت میں اس کی قیمت میں اضافے کا جواز خود آیت سے نکلتا ہے۔

مرابحہ مؤجلہ خلافتِ عثمانیہ میں:

پھر اسلامی تاریخ کی چودہ صدیاں، چودہ سو سال گزرے ہیں، ان میں آج تک ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اس کو ناجائز نہیں کہا۔ اور صرف اتنی بات نہیں۔ جو حضرات فتویٰ سے تعلق رکھتے ہیں انہیں یہ بات معلوم ہونی چاہیے۔ یہ بات مرابحہ میں نہیں، دوسرے باب میں آئی ہے کہ مرابحہ ایک ایسا عقد تھا جو خلافت عثمانیہ میں بھی جاری وساری تھا۔ اس درجہ جاری وساری تھا کہ جب مرابحہ مطلق بولا جاتا تو اس سے مراد ''مرابحہ مؤجلہ'' ہی ہوتا اور مرابحہ بھی وہ ہوتا تھا جس میں ایام کے حساب سے اس کی قیمت میں اضافہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ خلافت عثمانیہ کے حاکم کی طرف سے فرمان جاری ہوتا تھا کہ مرابحہ پر آپ اتنا نفع لے سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں، تاکہ لوگ اس میں بہت زیادہ نفع نہ لیں۔ اس کے لیے باقاعدہ شرح مقرر ہوتی تھی۔ آج مرکزی بینک شرح جاری کرتا ہے کہ آپ مرابحہ کے اندر اس سے زیادہ نفع نہیں لے سکتے، پہلے زمانے میں امرِ سلطانی جاری ہوتا تھا اور وہ امرِ سلطانی بدلتا رہتا تھا۔ یہ واقعہ ردالمحتار میں ہے۔ (۲) تنقیح الحامدیہ میں ہے۔ (۳) مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے۔ ان سب میں یہ تفصیل موجود ہے کہ احکام سلطانیہ اس طرح جاری ہوتے تھے۔

مرابحہ مؤجلہ اور قلب الدین:

اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ عقد جس کے اندر یہ حکم جاری ہوا ہے کہ

آپ اس سے زیادہ نہیں لے سکتے، یہ درحقیقت ''قلب الدین'' کی ایک شکل ہے۔ ''قلب الدین'' اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص کے ذمے آپ کا دین واجب ہے۔ جب ادائیگی کا وقت آیا اور وہ ادا نہیں کر پا رہا تو اس کو کسی اور طریقے سے مہلت دینے کے لیے دین کا ایک نیا عقد کر کے اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا ہے جس سے دائن کو کچھ اور نفع مل جائے۔ اس کو ''قلب الدین'' کہتے ہیں۔ یہ ''قلب الدین'' بہت سے ائمہ کے نزدیک بالکل ناجائز ہے۔ کسی بھی صورت میں ہو، لیکن ایسا لگتا ہے کہ متاخرین حنفیہ نے ''مرابحہ مؤجلہ'' کو ''قلب دین'' کے لیے بھی جائز قرار دیا اور اس کی تفصیل وہاں پر موجود ہے۔ اہل علم شامیہ دیکھیں گے تو مل جائے گی۔ (٤) حوالہ میرے پاس موجود ہے۔ تو یہاں تک اس پر عمل ہوتا تھا، کیونکہ خلافت عثمانیہ کا دور وہ زمانہ تھا جس میں بڑے بڑے کاروبار شروع ہو گئے تھے۔ زندگی میں تغیر آ رہا تھا۔ پھر اس پر فقہائے متاخرین مثلاً حنفیہ میں سے علامہ شامی نے اس پر کافی تفصیل سے بحث کی ہے کہ امر سلطانی جو جاری ہوا ہے کہ پانچ فیصد سے زیادہ آپ نفع نہیں لے سکتے۔ اگر کسی نے پانچ فیصد سے زیادہ لے لیا تو آیا بیع منعقد ہو گی یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ بیع منعقد ہی نہیں ہو گی، کیونکہ امر سلطانی کے خلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ منعقد ہو جائے گی لیکن گناہ ہو گا۔ اس پر بحث کی گئی ہے۔

مرابحہ مؤجلہ میں فقہاء کی غیر معمولی رعایت:

آگے بڑھیے! اس سے بھی آگے فقہاء نے یہ فرمایا کہ بیع مرابحہ کے اندر اگر بالفرض ایک شخص نے طے کیا تھا کہ چھ مہینے کے بعد ادا کروں گا۔ اس نے چھ مہینے کے حساب سے نفع طے کر لیا تھا اور پھر وہ تین مہینے کے بعد رقم لے کر آ گیا۔ اصل وقت سے پہلے آ گیا تو علامہ شامی مفتی بہ قول یہ نقل کرتے ہیں...... ردالمحتار میں بھی (۵) تنقیح الحامدیہ میں بھی (٦) کہ اس صورت میں جو قیمت مقرر ہوئی تھی اس میں سے نفع کم کر کے دیا جائے گا بقدر الایام۔ اگر سال بھر کا

مرابحہ تھا اور وہ چھ مہینے بعد پوری قیمت لا رہا ہے تو نفع آدھا کر دیا جائے گا کیونکہ اس عقد کے اندر "اجل" عقد کا ایک باقاعدہ حصہ بن گئی ہے۔ ہم بینکوں کو اس پر عمل کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن میں یہ کہہ رہا ہوں کہ فقہاء یہاں تک پہنچے ہیں۔ تو یہ کہنا کہ مرابحہ مؤجلہ گھڑی ہوئی چیز ہے، بالکل غلط ہے۔ اس کے نظائر موجود ہیں۔ میں ہمیشہ جو کہتا رہا ہوں کہ بینکوں کو اس پر قانع ہو کر نہیں بیٹھنا چاہیے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ ناجائز عقد ہے۔ یہ جائز عقد ہے۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے۔ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا آیات سے لے کر قیاس تک اس کے دلائل موجود ہیں۔

اسلامی بینکاری پر چار فقہی اِشکالات

اب ان اعتراضات میں کچھ باتیں ہیں جو واقعتاً فقہی نوعیت کی ہیں اور بہرحال اہل علم کی نظر کی بات ہے اور اس کے اندر دو رائیں بھی ہو سکتی ہیں۔ اس میں نیک نیتی سے بحث ومباحثہ بھی ہو سکتا ہے۔

پہلا اِشکال......تصدق کا اِلتزام:

مثلاً: ایک بہت بڑا مسئلہ یہ ہے کہ چاہے مرابحہ ہو یا کوئی بھی دین ہو۔ سودی بینک یہ کام کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے وقت پر ادائیگی نہیں کی تو ان کے ہاں تو سود کا میٹر چلتا ہے، لہٰذا ایک دن ادائیگی نہیں کی تو سود اور بڑھ گیا۔ دو دن نہیں کی تو دو دن کا سود بڑھ گیا۔ تین دن کی نہیں کی تو تین دن کا بڑھ گیا۔ تو نتیجہ یہ کہ وہ لوگ جو وقت پر ادائی کرنے کے پابند نہیں ہیں، وہ اس ڈر سے وقت پر ادائیگی کرتے ہیں کہ اگر ادائی نہیں کریں گے تو سود بڑھتا چلا جائے گا۔ لیکن مرابحہ کے اندر قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک قیمت متعین ہوگئی تو بس ہوگئی۔ وہ آگے نہیں بڑھ سکتی۔ لہٰذا شروع میں جب مرابحہ کا عمل نیا نیا شروع ہوا اس وقت یہ شرط نہیں تھی کہ وقت پر قسط ادا نہ کی تو کیا ہوگا؟ بس یہ کہا کہ وقت پر ادا

کرو! لیکن لوگوں نے اس کا ناجائز فائدہ اُٹھایا۔ فائدہ یہ اُٹھایا کہ بڑھنا تو ہے نہیں۔ قیمت تو وہی دینی ہے۔ آج دو، کل دو، پرسوں دو۔ ایک مہینے کے بعد دو۔ قیمت تو بڑھے گی نہیں۔ دو مہینے کے بعد یا دس مہینے کے بعد۔ نتیجہ یہ نکلا کہ غیر معیّن تاخیر شروع ہوگئی۔ اب اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت مدت تک پیسے نہ ملے تو اس سے سارا نظام متاثر ہوتا ہے۔ خاص طور پر بینکاری کا جو نظام ہے، اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ پیسہ کسی کاروبار میں لگے۔ اس لیے کہ یہ کسی ایک انسان کا پیسہ نہیں ہوتا بلکہ بہت سے لوگوں کا پیسہ ہوتا ہے۔ وہ کاروبار میں لگے تو منافع حاصل ہو۔ اس غیر معینہ تاخیر کا نقصان بہت ہونے لگا۔ اب کیا کیا جائے؟ علمائے عرب میں سے بعض نے یہ فتویٰ دیا کہ ایسی صورت میں اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ شخص تنگ دستی کی وجہ سے تاخیر کر رہا ہے تو اسے مہلت دی جائے: ''وَاِنْ کَانَ ذُوْعُسْرَۃٍ، فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃٍ'' لیکن اگر تنگ دستی کی وجہ سے نہیں کر رہا ہے اور غنی مماطل ہے، بلا عذر سستی اور ٹال مٹول کر رہا ہے تو اس صورت میں وہ یہ کہتے تھے: بینک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان کو یہ کہے کہ تمہاری تاخیر کی وجہ سے ہمیں ضرر پہنچا ہے اور ضرر کا ہرجانہ اور معاوضہ تمہیں دینا چاہیے اور وہ ہرجانہ اس طرح متعین کیا کہ اگر کوئی شخص فرض کرو ہمارے اکاؤنٹ میں اتنے پیسے رکھتا، اس پر اگر ہمیں نفع ہوتا تو کتنا نفع ہوتا؟ اتنا تم ہمیں دے دو۔ بعض علماء نے اس کی اجازت دی۔ جس میں شیخ مصطفیٰ الزرقا وغیرہ شامل ہیں۔ ایک محفل تھی جس میں یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا۔ میں نے اس کے خلاف ایک مضمون لکھا اور اس میں تفصیل سے بتایا کہ یہ جائز نہیں، اس لیے کہ یہ ''اِمَّا أَنْ تَقْضِیَ أَوْ تُرْبِیَ'' کے قریب قریب پہنچ جاتا ہے...... لیکن یہ سوال اپنی جگہ پر قائم رہا کہ ایسے لوگوں کا کیا کیا جائے؟

مشکل کا ایک ممکنہ حل:

تو اس میں مالکیہ کے ہاں ایک قول نظر آیا۔ وہ یہ ہے کہ اگر کوئی مدیون انشاءِ عقد کے

وقت میں یہ التزام کرلے کہ اگر میں وقت پر ادائیگی نہ کرسکا تو اتنے پیسے صدقہ کروں گا۔ اس کو دیانۃً تو سب جائز کہتے ہیں، قضاءً یہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ اس میں مالکیہ کے ہاں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ قضاءً نافذ نہیں ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ قضاءً نافذ ہوجائے گا۔ علامہ حطاب کے قول سے لگتا ہے کہ وہ اس طرف مائل ہیں کہ نافذ ہوجائے گا۔ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس سے مشکل حل ہوسکتی تھی۔ اس سے بینک کی آمدنی میں تو کوئی اضافہ نہیں ہوا لیکن دینے والے پر ایک دباؤ ضرور پڑجاتا ہے کہ اگر وقت پر قسط نہ دی تو مجھے یہ صدقہ دینا پڑے گا۔ یہ التزام بالتصدق کی بات ہے۔ ہم یہ مسئلہ اختیار کرسکتے ہیں یا نہیں؟ یہ متعدد مقام پر زیر بحث آیا۔ اس میں "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" بھی شامل ہے جس کا میں نے شروع میں حوالہ دیا تھا۔ اس وقت جو حضرات جمع ہوئے تھے انہوں نے کہا اس کی گنجائش ہے۔ اس کو اس خرابی کے سدِّ باب کے لیے اختیار کیا جائے۔ "مجمع الفقہ الاسلامی" میں زیر بحث آیا۔ انہوں نے بھی اس کی اجازت دی۔ اور بھی مختلف فورموں پر بحث ہوئی، انہوں نے بھی اجازت دی۔ تو یہ ایک مسئلہ ہے۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ جو شخص بھی مرابحہ کررہا ہوتا ہے وہ اس کا التزام کرتا ہے کہ اگر میں وقت پر ادائیگی نہ کرسکا تو اتنی رقم ادا کروں گا۔ البتہ وہ ادا کرتا ہے یا نہیں؟ یہ کیسے معلوم ہوگا؟ اس کے لیے "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" کے اجلاس میں یہ تجویز دی گئی ہے کہ بینک کے اندر ایک ایسا فنڈ قائم کردیا جائے جو خالصتاً خیرات میں کام آئے اور اس کا بینک کی آمدنی میں کوئی حصہ نہ ہو تو اس تجویز کے مطابق بیشتر غیر سودی بینکوں میں عمل ہورہا ہے۔

اب یہ واقعہ کے مطابق ہے کہ بینکوں میں التزام بالتصدق ہوتا ہے، لیکن اس پر اعتراض یہ ہے کہ صدقہ ایک تطوع ہے۔ اس پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا اور دوسرا یہ کہ بینک ہی کے اندر وہ فنڈ قائم ہے تو بینک کا کیا بھروسہ ہے کہ بینک اس کو صحیح جگہ پر لگائے گا؟ اپنی آمدنی میں استعمال نہیں کرے گا۔ اگرچہ یہ سارا فنڈ شریعہ بورڈ کی نگرانی میں ہوتا ہے اور ان کے کہنے کے مطابق جہاں جہاں خرچ ہوسکتا ہے کیا جاتا ہے، لیکن بہرحال یہ سوال موجود

ہے اور اس پر بعض حضرات نے کہا ہمارے نزدیک یہ درست نہیں۔ البتہ "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" نے اس کو جائز قرار دیا تھا۔

مفتی کو سائل کی جگہ اُتر کر غور کرنا چاہیے:

بعض حضرات اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ بینک تو روپے میں تیرتے ہیں۔ ان کو کیا ضرورت ہے وہ التزام بالتصدق کروائیں؟ واقعہ یہ ہے کہ مسئلہ اپنی جگہ پر حقیقی ہے۔ آج کل ہمارے زمانے کے لوگ جس مزاج کے ہیں وہ اس سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں اور مسئلہ اپنی جگہ پر موجود ہے۔ بعض حضرات نے جب کسی تحریر میں یہ لکھا دیکھا کہ عملی طور پر یہ بات مشکل ہے یا عملی طور پر اس سے نظام میں مشکلات پیدا ہوں گی، تو ان کی طرف سے یہ جملہ دیکھنے میں آیا: "یہ کسی بینکر کا نکتۂ نظر ہو سکتا ہے کسی عالم کا نہیں"۔ اس کے بارے میں میری عرض یہ ہے کہ مفتی یا عالم یا داعی جب کسی مسئلے پر بات کرے اور اس کا کوئی شرعی حل پیش کرے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کو وہیں اُتر کر اس سائل کی جگہ کھڑا ہو کر سوچنا چاہیے کہ آیا میں اس کی جگہ ہوتا تو یہ عملی مسئلہ میرے سامنے ہوتا یا نہ ہوتا؟ آج میں پوچھتا ہوں کہ اگر ہم اربوں روپیہ کسی کو دیتے ہیں اور یہ اندیشہ ہے کہ یہ وقت پر ادائیگی نہیں کرے گا تو کیا ہم اس طرح دینے پر رضامند ہو جائیں گے؟ ہم چونکہ روپے میں تیر رہے ہیں، لہٰذا جب چاہے دے دینا۔ ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہے کہ اربوں روپیہ وقت پر دینے کے بجائے چھ مہینے یا اس سے زیادہ کی تاخیر کرو؟ میں سمجھتا ہوں کہ جب کسی مسئلے کا کوئی حل تلاش کیا جائے تو پہلے آدمی اس جگہ اتر کر دیکھے کہ اگر میں سوال پوچھنے والے کی جگہ پر ہوتا تو یہ مسئلہ میرے سامنے آتا یا نہ؟ اس وجہ سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ اپنی جگہ واقعتاً موجود ہے اور حل طلب ہے۔

خروج عن المذہب کے حوالے سے ایک قابلِ غور نکتہ:

اس کے بارے میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ مالکی مذہب سے لیا گیا ہے اور مالکی

مذہب کا بھی مرجوح قول لیا گیا ہے لہٰذا یہ خروج عن المذہب ہے اور خروج عن المذہب کی شرائط یہاں نہیں پائی جاتیں۔ گزارش یہ ہے کہ یہاں ایک بات قابل نظر ہے۔ یہ محض غور کے لیے پیش کر رہا ہوں کہ ''خروج عن المذہب'' اس کو کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں کوئی مسئلہ مصرّح ہو کہ یہ چیز ناجائز ہے اور ہم اس کو چھوڑ کر مالکی یا شافعی مذہب سے مسئلہ لے لیں جب کہ وہاں اس کو جائز کہا گیا ہو۔ یہ خروج عن المذہب ہے اور اس کے لیے شرائط بھی ہیں۔ ان شرائط کے ساتھ خروج عن المذہب بھی ہو سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس کا دروازہ بالکل بند ہو۔ شرائط کے ساتھ، حاجات عامہ کے تحت دوسرے مذہب کا قول لیا جا سکتا ہے۔ بہرحال! خروج عن المذہب اس کو کہتے ہیں۔ لیکن ایک مسئلہ اگر حنفی مسلک میں موجود نہیں۔ نہ اجازتاً نہ تحریماً۔ اس صورت میں علامہ شامی کہتے ہیں کہ جب حنفی مسلک میں کسی مسئلے کی تصریح نہ ہو تو کہاں جاؤ؟ مالکیہ کے پاس۔ مالکی فقہ میں تلاش کرو۔ تو اگر ایک مسئلہ ہمارے ہاں نہیں ہے دوسری جگہ ہے۔ اس کے لینے میں ''خروج عن المذہب'' نہیں ہے۔ اس نکتے کی روشنی میں التزام تصدق کا مسئلہ لینا آیا یہ خروج عن المذہب ہے یا نہیں؟ اس کو بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خروج عن المذہب حاجاتِ عامہ کی وجہ سے ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت گنگوہی سے معاملات کے اندر اس بات کی صریح اجازت لی ہے کہ معاملات میں لوگوں کی آسانی کے لیے ائمہ اَربعہ میں سے جہاں بھی توسع ہو اس کو لے لیا جائے۔ ''حضرت گنگوہی سے صریح اجازت لی''...... میں نے یہ الفاظ حضرت والد صاحبؒ سے بعینہٖ سنے ہیں اور ایک جگہ حضرت والد صاحبؒ نے لکھے بھی ہیں تو اس مسئلہ التزام بالتصدق میں یہ خروج عن المذہب اسی کے تحت آتا ہے۔

دوسرا اِشکال……وعدہ کا لزوم:

دوسرا مسئلہ جو واقعی ہے اور جو فقہی نکتۂ نظر سے قابلِ غور بھی ہے اور یہ اعتراض اس معنیٰ میں درست ہے کہ وہ واقع کے خلاف نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ بینکنگ کے بہت سے معاملات میں یہ کرنا پڑتا ہے، یہ کیا گیا ہے کہ وعدہ کو قضاءً لازم کیا گیا ہے۔ یہ بحث بہت لمبی چوڑی ہے کہ وعدے کا ایفا واجب ہے، مستحب ہے یا سنت ہے؟ کیا ہے؟ یہ اختلاف شروع سے چلا آتا ہے لیکن قضاءً لازم ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں بھی دو قول ہیں۔ امام بخاری نے پورا باب قائم کیا ہے اور بہت سے حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ وعدہ لازم ہے۔ قضاءً بھی لازم ہے…… لیکن حنفیہ کے ہاں عام طور پر یہ کہا گیا ہے کہ قضاءً لازم نہیں ہے…… لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ حنفیہ نے بھی دو جگہ وعدے کو لازم قرار دیا ہے: ایک لحاجات الناس……"المواعید قد تکون لازمة لحاجة الناس" اور یہ بات فرمائی گئی ہے بیع الوفاء کے حوالے سے۔ بیع الوفاء میں اگر وفا کی شرط صلب عقد میں لگادی جائے تو عقد فاسد اور ناجائز ہے اور اگر وفا کی شرط صلب عقد میں نہ ہو اور صلب عقد سے ہٹ کر الگ وعدہ کرلیا جائے کہ میں وفا کروں گا تو وہ وعدہ لازم ہے۔ اس سیاق میں فرمایا گیا ہے: "اَلْمَوَاعِیْدُ قَدْ تَکُوْنُ لَازِمَةً لِحَاجَةِ النَّاس." حنفیہ کا اصل مسلک یہی ہے کہ وعدہ کا ایفا قضاءً لازم نہیں ہوتا لیکن بعض جگہوں پر……ایک تو اس جگہ……دوسرا اس موقع پر کہا گیا کہ "اِذَا اکْتَسَبَتِ الْمَوَاعِیْدُ صُوْرَةَ التَّعْلِیْقِ کَانَتْ لَازِمَةً" وعدے اگر تعلیق کی شکل میں ہوں تو لازم ہو جاتے ہیں۔ بہرحال! بیع بالوفاء سے استدلال کرتے ہوئے یا اس کی بنیاد پر بعض وعدوں کو بینکنگ میں بھی لازم کیا گیا ہے۔

مثلاً اجارہ کا جو عقد ہے جس میں کاریں یا مکانات کرائے پر دیے جاتے ہیں، اس میں یہ ہوتا ہے کہ بینک گاہک کو مطلوبہ چیز خرید کر اجارہ پر دے دیتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایک وعدہ ہوتا ہے جو عقدِ اجارہ کے صلب میں نہیں ہوتا۔ بعد میں ہوتا ہے کہ اگر تم

کرایہ مستقل ادا کرتے رہے دس سال بیس سال تک مثلاً، تو اس عرصے کے بعد ہم آپ کو یہ چیز فروخت کر دیں گے یا ہبہ کر دیں گے۔ دو ہی صورتیں ہوں گی: فروخت یا ہبہ۔ یہ وعدہ ہوتا ہے اور اس وعدے کو قضاءً لازم کیا گیا ہے۔ اس میں ہوتا یہ ہے کہ بیس سال تک اجارہ ہے۔ اس کے بعد بیع منعقد ہو جاتی ہے۔ بعض حضرات کو اس پر اعتراض ہے کہ یہ اشتراط فی العقد ہے کہ اس میں ایسی شرط لگائی جا رہی ہے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہے، لہٰذا وہ عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔ اس سلسلے میں عرض کرتا ہوں کہ اس میں اس تخریج پر جواز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے...... واللہ اعلم...... کہ بیع الوفاء میں جس طرح ہوتا ہے کہ اگر صلب عقد میں شرط نہ ہو، علیحدہ سے وعدہ کیا گیا ہو، اس کو لازم قرار دیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے بیع کو فاسد قرار نہیں دیا گیا تو اس طرح میں سمجھتا ہوں کہ یہاں بھی گنجائش ہے۔

تو یہ دوسرا مسئلہ تھا کہ وعدوں کو کئی جگہوں پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ یہ واقعی فقہی طور پر قابلِ غور ہے۔ میں نے اس پر مستقل ایک مقالہ بھی لکھا ہے۔ وعدے کی شرعی حیثیت کے بارے میں۔ وہ چھپا نہیں لیکن اس میں سارے اقوال جمع کیے ہیں شروع سے لے کر آخر تک۔ خلاصہ یہ ہے اگرچہ حنفیہ کے نزدیک وعدہ قضاءً لازم نہیں ہوتا، لیکن امام ابوبکر جصاص کی احکام القرآن کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں قضاءً بھی لازم ہوتا ہے۔ اس مقالے میں میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ ویسے تو قضاءً لازم نہیں ہوتا۔ البتہ دو صورتوں میں قضاءً بھی لازم ہوتا ہے: (1) دونوں فریق اس کے قضاءً لزوم پر متفق ہو جائیں۔ (2) یا حکومت یا اُولی الامر کی طرف سے یہ قانون آ جائے کہ یہ وعدہ لازم ہو گیا۔ بہرحال یہ ایک فقہی مسئلہ ہے جو اہلِ فتویٰ کے مزید غور کرنے کے لیے ہے۔

تیسرا اشکال...... فی یوم فی روپیہ کی بنیاد پر نفع کی تقسیم:

تیسری بات جو حقیقی مسئلہ ہے اور وہ واقع کے خلاف نہیں ہے، وہ یہ ہے یہاں بینکوں

کا جو نظام ہے اس میں صورتِ حال یہ ہوتی ہے کہ ایسا نہیں ہوتا کسی خاص دن میں لوگ پیسہ جمع کریں اور کسی خاص دن ان کے درمیان نفع تقسیم ہو بلکہ رقمیں آ رہی ہیں اور جا رہی ہیں۔ ایک دن کسی نے پیسے رکھ لیے۔ کل کو اس نے نکلوا لیے اور پرسوں اور جمع کر دیے۔ اس طرح کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اب نفع کی تقسیم کا کیا طریقہ ہوگا؟ اس میں ایک صورت وہ ہوتی ہے جس پر بعض حضرات نے اشکال کیا ہے کہ جب آدمی بیچ میں سے اپنے اکاؤنٹ سے پورے کے پورے پیسے نکال لیتا ہے۔ ابھی مدت مضاربت مکمل نہیں ہوئی اور اس نے اکاؤنٹ ختم کر دیا تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟ اور اس وقت اس کو کیا کہا جائے گا؟ ہمارے نزدیک اس کی تخریج یہ ہے کہ جب کوئی شخص بینک سے ساری رقم نکال کر جا رہا ہے تو اپنا حصہ باقی شرکاء کو بیچ کر جا رہا ہے، لہٰذا اس کے اس شرکت یا مضاربت میں موجود حصے کی جو قیمت ہے اس کو وہ قیمت ادا کی جائے گی اور اپنا حصہ جو وہ بیچ کر جا رہا ہے، اس حصے کی قیمت کی تعیین کے لیے باہمی رضامندی سے فارمولا طے کیا جا سکتا ہے۔ اس میں جو کچھ نفع اس وقت تک تخمیناً متوقع ہو سکتا ہے اس کو قیمت کا جز بنا کر لیا جا سکتا ہے۔ جو آدمی نکل رہا ہے گویا وہ اپنا حصہ بیچ کر جا رہا ہے۔ آپ کو شاید یاد ہو جب الائنس موٹرز کا کاروبار چلا تھا تو اس میں یہی تخریج کی گئی تھی کہ اگر کوئی جا رہا ہے تو گویا وہ اپنا حصہ بیچ کر جا رہا ہے۔

لیکن دوسرا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ بینک میں ہر وقت کوئی رقم نکال رہا ہے، کوئی داخل کر رہا ہے۔ ہر روز یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ مدت مضاربت مثال کے طور پر ایک مہینہ ہے تو اس ایک مہینے کے اندر بیچ میں بھی لوگ داخل ہو رہے ہیں۔ نئے آ رہے ہیں۔ جو پہلے سے داخل ہیں ان میں سے کچھ پیسے نکال رہے ہیں۔ اس میں شرکت و مضاربت کے اعتبار سے کس طرح نفع تقسیم کیا جائے؟ اس کا ایک طریقہ جو اس وقت متعارف ہے۔ صرف اس جگہ نہیں، بینکوں میں نہیں بلکہ اور جگہ پر بھی ہے، وہ یہ ہے جسے عربی میں کہا جاتا ہے: ''حساب الإنتاج الیومی''

(ڈیلی پروڈکٹ بیسز) اور اس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً: ایک مہینے تک یہ دیکھا گیا کہ کتنی رقمیں آئی اور ان پر کتنا منافع ہوا؟ جتنا منافع ہوا اس منافع کو "فی یوم فی روپیہ" کے حساب سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ یعنی فرض کرو کہ ایک ہزار کا نفع ہوا تو جتنی رقم آئی تھی، ہر روز اس کے ایک روپیہ پر کتنا نفع لگا؟ وہ نفع باہم تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ ہے جس کو "حساب الانتاج الیومی" کہتے ہیں۔ اس کو آج کل عربی میں "حساب النمر" اور انگریزی میں "ڈیلی پروڈکٹ بیسز" کہتے ہیں۔ یہ طریقے ہیں جن کے ذریعے نفع متعین کیا جاتا ہے۔ یعنی مثلاً یہ طے ہوگیا کہ رب المال کا 70 فیصد ہوگا اور مضارب کا 30 فیصد ہوگا۔ لیکن اصحاب الاموال جو آرہے ہیں وہ ایک وقت میں نہیں آرہے ہیں، مختلف اوقات میں آرہے ہیں۔ کوئی آرہا ہے کوئی جارہا ہے۔ کوئی نکال رہا ہے کوئی جمع کروا رہا ہے۔ اب مہینے کے ختم پر یہ دیکھیں گے کل رقم کتنی رہی؟ درمیان میں کتنی نکالی اور کتنی نہیں؟ اور کتنا داخل کیا اور کتنا بعد میں آیا؟ آخر مہینے میں یہ دیکھیں گے کل رقم کتنی ہوئی اور اس پر نفع کتنا ہوا؟ اس نفع کو تقسیم کریں گے "فی یوم فی روپیہ" کے حساب سے۔ کہ ایک روپیہ پر ایک دن میں کتنا نفع ہوا؟ اب جس شخص کی رقم پندرہ دن رہی۔ فرض کرو فی یوم ایک روپیہ نفع ہوا تو جس کی رقم پندرہ دن رہی اس کو پندرہ روپے اور جس کی رقم دس دن رہی اس کو دس روپے کا نفع ہوگا۔ یہ ہے مقصد "حساب الانتاج الیومی" کا۔ یہ نفع کے تعین کا بالکل نیا طریقہ ہے۔

تقسیم نفع کے اس اُصول کے نظائر:

اب اس بنیاد پر نفع کی تقسیم شرعاً درست ہے یا نہیں؟ یہ واقعتاً فقہی مسئلہ ہے۔ میں نے اپنے بعض مقالات میں اس پر بحث کی ہے اور اپنا رجحان یہ ظاہر کیا ہے کہ میں یہ سمجھتا ہوں اس طریقہ کار میں کسی بڑے اصول سے مزاحمت یا مصادمت نہیں ہوتی اور وجہ یہ ہے کہ میں نے اس کی نظیر پیش کی ہے۔ جب ایک مرتبہ شرکت کا "وعاء" قائم ہوجاتا ہے تو اس کے

اندراب یہ بات زیرِ بحث نہیں آتی کہ کس روپے پر کتنا نفع ہوا ہے؟ بلکہ سب خلط ہو جاتے ہیں۔ خلط ہو جانے کے بعد آپس میں نفع کی تقسیم کا جو طریقہ بھی طے کر لیں تو بظاہر اس میں کسی شرعی اُصول سے مزاحمت نہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ فقہائے کرام نے یہ مسئلہ لکھا ہے شرکت کے لیے عقدِ شرکت سے شرکت منعقد ہو جاتی ہے، چاہے خلط اموال ابھی تک نہ ہوا ہو۔ اس پر یہ متفرع فرمایا ہے کہ اگر زید اور عمرو دو آدمیوں نے شرکت کا عقد کیا۔ زید نے کہا میں پچاس روپے دوں گا۔ عمرو نے کہا میں پچاس روپے دوں گا...... لیکن عملاً ابھی زید نے دیے نہیں، عمرو نے دے دیے۔ اب عمرو نے اپنے پچاس روپے سے کوئی چیز خرید لی اور اس میں نفع ہو گیا تو فقہاء فرماتے ہیں وہ نفع باہم شریک ہوگا۔ وہ شرکت کا نفع ہوگا۔ اس میں زید بھی شریک ہوگا۔ حالانکہ زید نے ابھی تک ایک پیسہ نہیں دیا لیکن وہ اس میں شریک ہوگا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب ایک مرتبہ عقد شرکت ہو جائے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ طے کیا جائے اِس رقم پر کتنا نفع ہوا اور اُس رقم پر کتنا نفع ہوا؟ ایک شریک کی رقم نے کیا کمایا اور دوسرے شریک کی رقم نے کیا کمایا؟ بلکہ عقد شرکت کے تحت جتنا بھی نفع ہوتا ہے وہ مشترک ہوتا ہے۔

اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ ''شرکت اعمال'' کا عقد جس کو ''شرکت تقبل'' بھی کہتے ہیں، اس میں نفع صرف ضمان کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ضمانِ عمل کی بنیاد پر۔ عمل کیا، نہیں کیا۔ اس سے کوئی تعلق نہیں۔ چونکہ ضمانِ عمل لے لیا تو شرکت متحقق ہو گئی۔ عمل نہ کرنے والے کو بھی نفع ملے گا۔ یہ بعینہٖ مثال نہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ قیاس ہو رہا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ یہ نظائر اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ ضروری نہیں کہ ہر آدمی کے اپنے روپے پر جو نفع ہوا ہو وہ اس کا ہوتا ہے اور دوسرے کے مال پر ہونے والا نفع اس کا نہیں ہوتا۔ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے...... جب کہ بینکنگ میں ایک ایسا نظام ہے کہ جس میں روپیہ آ رہا ہے اور جا رہا

ہے..... اس میں اگر اس طریقہ کار کو اختیار کیا جائے تو میں ذاتی طور پر اس کو درست سمجھتا ہوں۔ اس میں کسی واضح اُصول کی خلاف ورزی نہیں۔ مثلاً اس میں قطع شرکت نہیں۔ شرکت میں جو تناسب ہوگا وہ اپنی جگہ پر متعین ہے وغیرہ وغیرہ......اور مجمع الفقہ الاِسلامی نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔

شرعی متبادل بتانا سنتِ رسول ﷺ ہے:

البتہ بعض مرتبہ یہ کہا جاتا ہے کہ نفع کی تقسیم کا یہ فارمولا بالکل ایک نئی چیز ہے۔ پہلے سے فقہ اسلامی کے اندر موجود نہیں ہے۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم اس کی طرف جائیں؟ اس کو بطور متبادل لانے کی کیا ضرورت ہے؟ متبادل لانا ہماری ذمہ داری نہیں؟ علماء کا کام صرف یہ ہے کہ وہ صرف یہ کہہ دیں حلال ہے یا حرام؟ لہٰذا متبادل پیش کرنے کے لیے ہم ایسی چیز کیوں لائیں جو فقہ اسلامی میں موجود نہیں ہے اور اس کے لیے کوئی نیا استنباط کرنا پڑے؟ تو میری گزارش ہے کہ متبادل پیش کرنا فقیہ کے لیے اگرچہ واجب نہیں تو کم از کم سنت ضرور ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر کی کھجور کے بارے میں فرمایا کہ "عَینُ الرِّبَا" تو فوراً ہی فرمایا: "وَلٰکِنْ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا." یعنی متبادل فوراً پیش فرمایا اور متبادل بھی ایسا جس کا نتیجہ بالکل وہی ہے جو پہلی صورت کا تھا۔ وہی بات جس پر عام طور پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ وہی ہوگیا، ناک گھما کر پکڑی، لہٰذا یہ ناجائز ہونا چاہیے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حرام کہنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ متبادل بھی دیا اور متبادل بھی ایسا تھا جس کے نتیجے میں وہی بات اور وہی نتیجہ حاصل ہو رہا تھا۔ تو یہ کہنا کہ متبادل پیش کرنے کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے، فریضے کی حد تک مجھے نہیں معلوم کہ ہے یا نہیں؟ لیکن سنت ضرور ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے سارے اکابر کا طرزِ عمل یہی رہا ہے کہ حتی الامکان حرام سے بچانے کے لیے متبادل پیش کرنے کی

کوشش کرتے ہیں۔

متبادل تجویز کرنے کا ایک اُصول:

ہاں یہ بحث ہے کہ کیا ہم ہر چیز کا متبادل پیش کرتے رہیں؟ تو میں نے اس پر بھی "اسلام اور جدید معیشت" میں بحث کی ہے۔ میں نے اس میں یہ ذکر کیا ہے کہ ہر چیز کا متبادل پیش کرنا علماء کی ذمہ داری نہیں ہے۔ جو چیز مقاصد شریعت کے خلاف ہے، اس کا متبادل پیش کرنے کی ہمیں کوئی حاجت نہیں۔ کسی کو جوئے کا متبادل چاہیے تو ہم جوئے کا متبادل دینے کے پابند نہیں اور نہ ہی اس کے مکلّف ہیں، اس لیے کہ وہ مقاصد شریعت کے خلاف ہے۔ بینکاری کے نظام میں بھی بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو مقاصد شریعت کے خلاف ہیں۔ مثلاً آج کل آپشن، شارٹ سیل وغیرہ چلے ہوئے ہیں۔ ہمیں ان کا کوئی متبادل دینے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ایک چیز ایسی ہے جو مقاصد شریعت کے مطابق ہے۔ وہ یہ ہے کہ لوگوں کے پیسے جو انہوں نے بچت کر کے رکھے ہوئے ہیں اپنے گھروں میں یا تجوریوں میں یا لاکروں میں۔ وہ بیکار پڑے رہنے کے بجائے ملکی معیشت کی ترقی اور تجارت وصنعت کے فروغ میں کام آئیں۔ یہ بات مقاصد شریعت کے مطابق ہے، اس لیے اگر کوئی متبادل پیش کرنے کا موقع ہو تو ضرور پیش کرنا چاہیے اور اُمت کو صریح حرام سے بچانے کے لیے ایسا متبادل راستہ پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلکہ بہتر ہے اور ایک طرح سے ہماری ذمہ داری بھی ہے۔ فقیہ صرف فتویٰ دینے والا نہیں ہوتا، بلکہ داعی بھی ہوتا ہے اور داعی کا کام صرف اتنا نہیں ہے کہ کسی چیز کو محض حرام کہہ دے۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا مقولہ ہے: "اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَنَا الرُّخْصَةُ مِنْ ثِقَةٍ، اَمَّا اَنْ تَقُوْلَ حَرَامٌ، فَيُحْسِنُهُ كُلُّ أَحَدٍ." تو اس لیے اگر کوئی متبادل ایسا ہے جس کے اندر کوئی شرعی محظور نہ ہو تو نہ صرف یہ کہ اسے پیش کرنا مناسب ہے، بلکہ اس دور میں اُمت کو حرام کی طرف جانے

سے بچانے کے لیے ضروری ہے۔

تو یہ چند فقہی مباحث تھے۔ شرعی مسائل تھے۔ ظاہر ہے کہ ایک مجلس میں تمام مسائل کا احاطہ ممکن نہیں ہے، لیکن یہ تین چار بنیادی باتیں تھیں جو ان اعتراضات میں مذکور ہیں جو میرے سامنے آئے ہیں۔ اور بھی بہت سی باتیں ہوسکتی ہیں۔ ان پر گفتگو بھی ہوسکتی ہے۔ ہر وقت گفتگو کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ہم نے جو کچھ سوچا ہے وہ حرفِ آخر نہیں ہے۔ عقلِ کُل ہونے کا دعویٰ نہیں ہے۔ جب بھی کوئی ایسی بات آئے جو فقہی اعتبار سے قابلِ غور ہو، قابلِ نظرِ ثانی ہو، اس کے لیے ہمیشہ الحمدللہ تیار ہیں۔ اس میں ہمیں کوئی تامل نہیں ہے۔

چوتھا اِشکال...... محدود ذمہ داری کا تصوّر:

میرا خیال ہے اس وقت جتنی باتیں عرض کرنی تھیں، وہ پوری ہوگئیں۔ ہاں! ایک بات اور جس پر بہت زور دیا جاتا ہے وہ لمیٹڈ کمپنی کا مسئلہ ہے۔ اس تحریر کے اندر جس کا میں نے حوالہ دیا، بھی اس بات پر کافی زور دیا گیا ہے۔ بینک چونکہ لمیٹڈ کمپنی کی شکل میں ہوتا ہے، اس لیے یہ کہا جارہا ہے کہ چونکہ لمیٹڈ کمپنی کا تصور ہی اسلام کے بالکل خلاف ہے، لہٰذا اس کے تحت جو کچھ بھی ہوگا...... چاہے وہ شرکت ومضاربت ہی کی بنیاد پر ہو اور اس میں مرابحہ وغیرہ کچھ نہ ہو...... تب بھی وہ جائز نہیں۔ آخر میں اس تحریر میں کہا گیا ہے کہ فرض کیجیے ایسا وقت آبھی جائے جب بینکنگ شرکت مضاربت ہی کی بنیاد پر ہو اور مرابحہ وغیرہ نہ ہو اور اس وقت ہم سے پوچھا جائے تب بھی ہم اس کو جائز نہ کہیں گے، اس لیے کہ یہ شرکت لمیٹڈ کمپنی کی بنیاد پر قائم ہوئی ہے۔ بینک ایک لمیٹڈ کمپنی ہوتا ہے، لہٰذا اس کے اندر شرکت ومضاربت کا صحیح تصور قائم نہیں ہوسکتا۔ میں آپ کے سامنے مختصراً عرض کرکے بات ختم کرتا ہوں کہ یہ مسئلہ اپنی جگہ پر ہے کہ آیا لمیٹڈ ہونا یعنی ذمہ داری کا محدود ہونا، یہ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟ میں نے ''اسلام اور جدید معیشت وتجارت'' میں جب اس پر بحث کی تھی تو

شروع میں ہی لکھ دیا تھا کہ اس میں بعض مسائل ایسے ہیں جو نئے ہیں اور انہیں اہلِ علم کے غور وفکر کے لیے پیش کر رہا ہوں۔ میری جس کتاب کا ترجمہ مولانا زاہد صاحب نے کیا ہے [اسلامی بینکاری کی بنیادیں] اس کے شروع میں بھی میں نے لکھا ہے کہ اس کو میری طرف سے حتمی فتویٰ نہ سمجھا جائے۔ میں غور وفکر کے لیے علماء کو پیش کر رہا ہوں کہ آیا محدود ذمہ داری کا تصور شرعاً قابلِ قبول ہے یا نہیں؟ میں نے چند دلائل ذکر کیے ہیں۔ چند نظائر ذکر کی ہیں اور نظائر کی بنیاد پر شاید جواز کا قول ہو سکے، لیکن حتمی فتویٰ کے طور پر کہیں نہیں ذکر کیا۔

کیا محدود ذمہ داری سے سارا کاروبار ناجائز ہو جائے گا؟

بہر حال یہ الگ مسئلہ ہے کہ محدود ذمہ داری کا تصور شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس پر مزید غور وفکر ہونا چاہیے۔ ابھی مفتی عبدالواحد صاحب کی کتاب آئی ہے۔ مجھے اب تک پوری طرح اس کا مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ان شاء اللہ میں اس کو دیکھوں گا...... لیکن فرض کیجیے اس محدود ذمہ داری کے تصور کے بارے میں ہم کہہ دیں کہ ناجائز ہے تو جو کمپنی بھی لمیٹڈ ہے اور جو کمپنی بھی محدود ذمہ داری پر قائم ہوتی ہے، کیا اس کا سارا کاروبار ناجائز ہو جائے گا؟ اگر اس کے سارے کاروبار کو ناجائز کہا جائے تو ہم یہ جو کپڑے پہن رہے ہیں یہ بھی حرام ہیں اور یہ جو جوتے پہنتے ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ جن گاڑیوں میں سفر کر رہے ہیں وہ بھی حرام...... دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بینک کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک تو بینک کے حصہ دار ہوتے ہیں جو بینک کے مالک ہوتے ہیں۔ محدود ذمہ داری کے تصور کا جو معاملہ ہے وہ صرف ان کی حد تک محدود ہے۔ دوسرا حصہ یہ ہے کہ بینک مضارب کے طور پر کام کرتا ہے۔ آپ اگر ''شخص قانونی'' کا تصور تسلیم نہ کریں تو ان مجموعہ افراد کو [بینک مالکان کو] فرض کر لیں کہ وہ مضارب ہیں۔ ان کا ڈیپازیٹرز کے ساتھ دوسرا تعلق ہوتا ہے۔ ان دونوں کو خلط ملط کر کے یہ کہنا کہ لمیٹڈ کمپنی کا تصور شریعت کے خلاف ہے، لہٰذا ڈیپازیٹرز

کے ساتھ شرکت و مضاربت بھی نہیں ہوسکتی۔ یہ میری نظر میں خلطِ مبحث ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس پر مزید غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے کہ محدود ذمہ داری کا تصور کس حد تک ہے؟ قابلِ قبول ہے یا نہیں؟ اگر نا قابلِ قبول ہے تو کمپنی کے معاملات پر، اس کی پیداوار پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ یہ ایک مسئلہ ہے جس پر غور کرتے رہنا چاہیے۔ اہلِ افتاء کو اس میں مزید اپنا کردار ادا کرنا چاہیے...... لیکن یہ تصور کہ بینک چونکہ لمیٹڈ کمپنی ہے، لہٰذا اس کا کوئی کام بھی شریعت کے مطابق نہیں ہوسکتا، یہ میری نظر میں درست نہیں ہے۔ بس اس وقت اتنی بات عرض کرنی تھی۔ موضوع بہت طویل ہے۔ اس میں بہت سی شاخیں ہیں۔ بہت سے مسائل ہیں۔ میں نے اس وقت ایک خلاصہ عرض کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق پہچاننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

حوالہ جات

(۱)

قوله تعالٰی: "ذٰلِکَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا"

وَبِهِ عَنْ سَعِیدِ بْنِ جُبَیْرٍ، "فِی قَوْلِ اللّٰهِ: "ذٰلِکَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" فَهُوَ الرَّجُلُ إِذَا حَلَّ مَالُهُ عَلٰی صَاحِبِهِ فَیَقُولُ الْمَطْلُوبُ لِلطَّالِبِ: "زِدْنِی فِی الْأَجَلِ، وَأَزِیدُکَ عَلٰی مَالِکَ" فَإِذَا فُعِلَ ذٰلِکَ قِیلَ لَهُمْ: هٰذَا رِبًا، قَالُوا: سَوَاءٌ عَلَیْنَا أَنْ زِدْنَا فِی أَوَّلِ الْبَیْعِ، أَوْ عِنْدَ مَحِلِّ الْمَالِ، فَهُمَا سَوَاءٌ، فَذٰلِکَ قَوْلُهُ: "قَالُوا إِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" لِقَوْلِهِمْ: إِنْ زِدْنَا فِی أَوَّلِ الْبَیْعِ أَوْ عِنْدَ مَحِلِّ الْمَالِ، فَهُمَا سَوَاءٌ."

قوله تعالٰی: "وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"

وَبِهِ عَنْ سَعِیدِ بْنِ جُبَیْرٍ، قَالَ: "فَأَکْذَبَهُمُ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَهُوَ أَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ: سَوَاءٌ عَلَیْنَا أَنْ زِدْنَا فِی أَوَّلِ الْبَیْعِ أَوْ عِنْدَ مَحِلِّ الْمَالِ، فَقَالَ: "وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا." (تفسیر ابن ابی حاتم: ۲/۵۴۵)

(۲)

قال فی رد المحتار:

"(قَوْلُهُ یُعَزَّرُ) لِأَنَّ طَاعَةَ أَمْرِ السُّلْطَانِ بِمُبَاحٍ وَاجِبَةٌ (قَوْلُهُ مَا أَخَذَهُ مِنَ الرِّبْحِ) أَیْ زَائِدًا عَمَّا وَرَدَ بِهِ الْأَمْرُ ط (قَوْلُهُ إِنْ حَصَّلَهُ مِنْهُ بِالتَّرَاضِی إِلَخْ) مَفْهُومُهُ: أَنَّهُ لَوْ أَخَذَهُ بِلَا رِضَاهُ أَنَّهُ یَثْبُتُ لَهُ الرُّجُوعُ بِالزَّائِدِ عَمَّا وَرَدَ بِهِ الْأَمْرُ، وَهُوَ غَیْرُ ظَاهِرٍ، لِأَنَّهُ إِذَا أَقْرَضَهُ مِائَةً وَبَاعَهُ سِلْعَةً بِثَلَاثِینَ مَثَلًا بَیْعًا مُسْتَوْفِیًا شَرَائِطَهُ الشَّرْعِیَّةَ لَمْ یَکُنْ فِیهِ إِلَّا مُخَالَفَةُ الْأَمْرِ السُّلْطَانِیِّ، لِأَنَّ مُقْتَضَی الْأَمْرِ الْأَوَّلِ أَنْ یَبِیعَ السِّلْعَةَ

بخمسة فقط، لتكون العشرة بعشرة ونصف ,ومقتضى الأمر الثاني أن يبيعها بخمسة عشر، لتكون العشرة بأحد عشرة ونصف، ولا يخفى أن مخالفة الأمر لا تقتضي فساد البيع، لأن ذلك لا يزيد على مخالفة أمر الله تعالى بالسعي وترك البيع وقت النداء، فإذا باع وترك السعي يكره البيع، ولا يفسد، فكذا هنا بالأولى. على أنه إذا فسد البيع وجب الفسخ ورد جميع الثمن، وإذا صح وجب جميع الثمن، فلا وجه لرد الزائد وأخذ ما ورد به الأمر فقط، سواء قلنا بصحة البيع أو فساده فتعين أن هذا المفهوم غير مراد فتأمل.

(قوله لكن يظهر إلخ) لا وجه للاستدراك بعد ورود الأمر الواجب الاتباع بعدم الرجوع ط وقد يجاب بأن المراد أن المناسب أن يرد الأمر السلطاني بالرجوع: أي وإن أخذ ما أخذه بالتراضي، لكن علمت ما فيه (قوله وأقبح من ذلك السلم إلخ) أي أقبح من بيع المعاملة المذكورة ما يفعله بعض الناس من دفع دراهم سلما على حنطة أو نحوها إلى أهل القرى، بحيث يؤدي ذلك إلى خراب القرية، لأنه يجعل الثمن قليلا جدا، فيكون إضراره أكثر من إضرار البيع بالمعاملة الزائدة عن الأمر السلطاني، فيظهر أن المناسب أيضا ورود أمر سلطاني بذلك ليعزر من يخالفه. وظاهره أنه لم يرد بذلك أمر. والله سبحانه أعلم. (۵/۱۶۷، طبع کراتشی)

(۳)

في الفتاوى الحامديه:

"رَجُلٌ لَهُ عَلَى رَجُلٍ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ، فَأَرَادَ أَنْ يَجْعَلَهَا ثَلَاثَةَ عَشَرَ إِلَى أَجَلٍ، قَالُوا: يَشْتَرِي مِنَ الْمَدْيُونِ شَيْئًا بِتِلْكَ الْعَشَرَةِ. وَيَقْبِضُ الْمَبِيعَ. ثُمَّ يَبِيعُهُ مِنَ الْمَدْيُونِ بِثَلَاثَةَ عَشَرَ إِلَى سَنَةٍ فَيَقَعُ التَّحَرُّزُ عَنِ الْحَرَامِ. قَاضِي خَانُ مِنْ فَصْلٍ فِيمَا يَكُونُ فِرَارًا عَنِ الرِّبَا مِنْ كِتَابِ الْبُيُوعِ، وَفِيهِ حِيَلٌ أُخْرَى، فَرَاجِعْهَا.

(أَقُولُ) مُقْتَضَاهُ أَنَّهُ يَصِحُّ أَنْ يَحْتَالَ لِجَعْلِ الْعَشَرَةِ ثَلَاثَةَ عَشَرَ. وَفِي الدُّرِّ الْمُخْتَارِ فِي آخِرِ بَابِ الْقَرْضِ مَا نَصُّهُ: "قُلْتُ: وَفِي مَعْرُوضَاتِ الْمُفْتِي أَبِي السُّعُودِ: وَلَوْ ادَّانَ زَيْدٌ الْعَشَرَةَ بِاثْنَيْ عَشَرَ أَوْ بِثَلَاثَةَ عَشَرَ بِطَرِيقِ الْمُعَامَلَةِ فِي زَمَانِنَا بَعْدَ أَنْ وَرَدَ الْأَمْرُ السُّلْطَانِيُّ وَفَتْوَى شَيْخِ الْإِسْلَامِ بِأَنْ لَا تُعْطَى الْعَشَرَةُ بِأَزْيَدَ مِنْ عَشَرَةٍ وَنِصْفٍ، وَنَبَّهَ عَلَى ذَلِكَ فَلَمْ يَمْتَثِلْ، مَاذَا يَلْزَمُهُ؟ فَأَجَابَ: "يُعَزَّرُ وَيُحْبَسُ إِلَى أَنْ تَظْهَرَ تَوْبَتُهُ وَصَلَاحُهُ، فَيُتْرَكُ."

وَفِي هَذِهِ الصُّورَةِ هَلْ يَرُدُّ مَا أَخَذَهُ مِنَ الرِّبْحِ لِصَاحِبِهِ؟ فَأَجَابَ: "إِنْ حَصَلَهُ مِنْهُ بِالتَّرَاضِي وَرَدَ الْأَمْرُ بِعَدَمِ الرُّجُوعِ، لَكِنْ يَظْهَرُ أَنَّ الْمُنَاسِبَ الْأَمْرُ بِالرُّجُوعِ."

فَقَدْ أَفَادَ وُرُودُ الْأَمْرِ السُّلْطَانِيِّ وَالْإِفْتَاءِ بِنَاءً عَلَيْهِ بِأَنْ لَا تُعْطَى الْعَشَرَةُ بِأَكْثَرَ مِنْ عَشَرَةٍ وَنِصْفٍ، وَرَأَيْتُ بِخَطِّ شَيْخِ مَشَايِخِنَا السَّائِحَانِيِّ: بِأَنَّ هُنَاكَ فَتْوَى أُخْرَى بِأَنْ لَا تُعْطَى الْعَشَرَةُ بِأَكْثَرَ مِنْ إِحْدَى عَشَرَةَ وَنِصْفٍ، وَعَلَيْهَا الْعَمَلُ اهـ وَكَأَنَّهُ وَرَدَ أَمْرٌ آخَرُ بِذَلِكَ بَعْدَ الْأَمْرِ الْأَوَّلِ، لَكِنْ قَدَّمْنَا فِي كِتَابِ الدَّعْوَى عَنِ الْفَتَاوَى الْخَيْرِيَّةِ:

أَنَّ أَمْرَ السُّلْطَانِ نَصَرَهُ اللّٰهُ تَعَالَى لَا يَبْقَى بَعْدَ مَوْتِهِ. وَقَدَّمْنَا تَحْقِيقَ الْمَسْأَلَةِ ثَمَّةَ فَرَاجِعْهُ، وَعَلَى فَرْضِ بَقَاءِ حُكْمِ أَمْرِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ إِلَى الْآنَ أَوْ وُرُودِ أَمْرٍ جَدِيدٍ بِذٰلِكَ مِنْ سُلْطَانِ زَمَانِنَا أَيَّدَهُ اللّٰهُ تَعَالَى بِنَصْرِهِ، فَإِنَّمَا يُحْبَسُ الْمُخَالِفُ وَيُعَزَّرُ؛ لِمُخَالَفَتِهِ الْأَمْرَ السُّلْطَانِيَّ لَا لِفَسَادِ الْمُبَايَعَةِ، فَإِنَّهُ لَوْ أَقْرَضَ مِائَةَ دِرْهَمٍ مَثَلًا وَبَاعَ مِنَ الْمُسْتَقْرِضِ سِلْعَةً بِعِشْرِينَ دِرْهَمًا بِعَقْدٍ شَرْعِيٍّ صَحَّ الْبَيْعُ، وَإِنْ كَانَتْ تِلْكَ السِّلْعَةُ تُسَاوِي دِرْهَمًا وَاحِدًا؛ لِأَنَّ النَّهْيَ السُّلْطَانِيَّ لَا يَقْتَضِي فَسَادَ الْعَقْدِ الْمَذْكُورِ: أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَصِحُّ عَقْدُ الْبَيْعِ بَعْدَ النِّدَاءِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ مَعَ وُرُودِ النَّهْيِ الْإِلٰهِيِّ، وَإِنْ أَثِمَ. وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِأَنَّ النَّهْيَ لَا يَقْتَضِي الْفَسَادَ كَالصَّلَاةِ فِي الْأَرْضِ الْمَغْصُوبَةِ تَصِحُّ مَعَ الْإِثْمِ، كَمَا تَقَرَّرَ فِي كُتُبِ الْأُصُولِ. إِذَا عَلِمْتَ ذٰلِكَ فَقَوْلُ الْمُفْتِي أَبِي السُّعُودِ "إِنْ حَصَّلَهُ مِنْهُ بِالتَّرَاضِي وَرَدَ الْأَمْرُ بِعَدَمِ الرُّجُوعِ" يُفِيدُ أَنَّ مَا حَصَّلَهُ الْمُقْرِضُ مِنْ ثَمَنِ السِّلْعَةِ زَائِدًا عَلَى عَشَرَةٍ وَنِصْفٍ بِلَا رِضَا الْمُسْتَقْرِضِ يَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْمُقْرِضِ، وَهُوَ مُشْكِلٌ وَقَوْلُهُ: "لٰكِنْ يَظْهَرُ أَنَّ الْمُنَاسِبَ الْأَمْرُ بِالرُّجُوعِ" أَيْ وَإِنْ كَانَ ذٰلِكَ بِالتَّرَاضِي أَشَدُّ إِشْكَالًا لِمَا عَلِمْتَ، فَإِنَّ بَيْعَ السِّلْعَةِ إِنْ كَانَ صَحِيحًا يَسْتَحِقُّ جَمِيعَ الثَّمَنِ، إِلَّا لَمْ يَسْتَحِقَّ شَيْئًا فَتَأَمَّلْ ذٰلِكَ، فَإِنِّي لَمْ أَجِدْ لَهُ جَوَابًا شَافِيًا، وَاللّٰهُ تَعَالَى أَعْلَمُ." (٢/٢٤٥)

(٤)

قال في الدر المختار:

قُلْتُ: وَسَيَجِيءُ آخِرَ الْكِتَابِ أَنَّهُ لَوْ حَلَّ لِمَوْتِهِ أَوْ أَدَّاهُ قَبْلَ حُلُولِهِ لَيْسَ لَهُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ إِلَّا بِقَدْرِ مَا مَضَى مِنَ الْأَيَّامِ وَهُوَ جَوَابُ الْمُتَأَخِّرِينَ .

وفي رد المحتار:

"(قَوْلُهُ: وَسَيَجِيءُ آخِرَ الْكِتَابِ) أَيْ قُبَيْلَ كِتَابِ الْفَرَائِضِ .وَهَذَا مَأْخُوذٌ مِنَ الْقُنْيَةِ حَيْثُ قَالَ فِيهَا بِرَمْزِ نَجْمِ الدِّينِ :قَضَى الْمَدْيُونُ الدَّيْنَ قَبْلَ الْحُلُولِ أَوْ مَاتَ فَأَخَذَ مِنْ تَرِكَتِهِ ، فَجَوَابُ الْمُتَأَخِّرِينَ: أَنَّهُ لَا يَأْخُذُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ الَّتِي جَرَتْ بَيْنَهُمَا إِلَّا بِقَدْرِ مَا مَضَى مِنَ الْأَيَّامِ . قِيلَ لَهُ: أَتُفْتِي بِهِ أَيْضًا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ: وَلَوْ أَخَذَ الْمُقْرِضُ الْقَرْضَ وَالْمُرَابَحَةَ قَبْلَ مُضِيِّ الْأَجَلِ فَلِلْمَدْيُونِ أَنْ يَرْجِعَ بِحِصَّةِ مَا بَقِيَ مِنَ الْأَيَّامِ اهـ .

وَذَكَرَ الشَّارِحُ آخِرَ الْكِتَابِ: أَنَّهُ أَفْتَى بِهِ الْمَرْحُومُ مُفْتِي الرُّومِ أَبُو السُّعُودِ، وَعَلَّلَهُ بِالرِّفْقِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ .

قُلْتُ: وَبِهِ أَفْتَى الْحَانُوتِيُّ وَغَيْرُهُ. وَفِي الْفَتَاوَى الْحَامِدِيَّةِ: سُئِلَ فِيمَا إِذَا كَانَ لِزَيْدٍ بِذِمَّةِ عَمْرٍو مَبْلَغُ دَيْنٍ مَعْلُومٍ فَرَابَحَهُ عَلَيْهِ إِلَى سَنَةٍ، ثُمَّ بَعْدَ ذَلِكَ بِعِشْرِينَ يَوْمًا مَاتَ عَمْرٌو الْمَدْيُونُ، فَحَلَّ الدَّيْنُ وَدَفَعَهُ الْوَارِثُ لِزَيْدٍ، فَهَلْ يُؤْخَذُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ شَيْءٌ أَوْ لَا؟ الْجَوَابُ جَوَابُ الْمُتَأَخِّرِينَ: أَنَّهُ لَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ الَّتِي جَرَتْ الْمُبَايَعَةُ عَلَيْهَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِقَدْرِ مَا مَضَى مِنَ الْأَيَّامِ .قِيلَ لِلْعَلَّامَةِ نَجْمِ الدِّينِ: أَتُفْتِي بِهِ؟ قَالَ: نَعَمْ! كَذَا فِي الْأَنْقِرْوِيِّ وَالتَّنْوِيرِ ، وَأَفْتَى بِهِ عَلَّامَةُ الرُّومِ مَوْلَانَا

أَبُو السُّعُودِ وَفِي هَذِهِ الصُّورَةِ بَعْدَ أَدَاءِ الدَّيْنِ دُونَ الْمُرَابَحَةِ إِذَا ظَنَّتْ الْوَرَثَةُ أَنَّ الْمُرَابَحَةَ تَلْزَمُهُمْ، فَرَابَحُوهُ عَلَيْهَا عِدَّةَ سِنِينَ بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْمُرَابَحَةَ تَلْزَمُهُمْ حَتَّى اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَالٌ، فَهَلْ يَلْزَمُهُمْ الْمَالُ أَوْ لَا؟ الْجَوَابُ: لَا يَلْزَمُهُمْ؛ لِمَا فِي الْقُنْيَةِ بِرَمْزِ بَكْرٍ خُوَاهَرْ زَادَهْ كَانَ يُطَالِبُ الْكَفِيلَ بِالدَّيْنِ بَعْدَ أَخْذِهِ مِنْ الْأَصِيلِ، وَيَبِيعُهُ بِالْمُرَابَحَةِ، حَتَّى اجْتَمَعَ عَلَيْهِ سَبْعُونَ دِينَارًا، ثُمَّ تَبَيَّنَ أَنَّهُ قَدْ أَخَذَهُ فَلَا شَيْءَ لَهُ؛ لِأَنَّ الْمُبَايَعَةَ بِنَاءً عَلَى قِيَامِ الدَّيْنِ وَلَمْ يَكُنْ اهـ .هَذَا مَا ظَهَرَ لَنَا، وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ اهـ" (۱۶۰/۵، طبع کراتشی)

(۵)

فی رد المحتار:

"(قَضَى الْمَدْيُونُ الدَّيْنَ الْمُؤَجَّلَ قَبْلَ الْحُلُولِ أَوْ مَاتَ) فَحَلَّ بِمَوْتِهِ (فَأَخَذَ مِنْ تَرِكَتِهِ، لَا يَأْخُذُ مِنْ الْمُرَابَحَةِ الَّتِي جَرَتْ بَيْنَهُمَا إِلَّا بِقَدْرِ مَا مَضَى مِنْ الْأَيَّامِ .وَهُوَ جَوَابُ الْمُتَأَخِّرِينَ) قُنْيَةٌ وَبِهِ أَفْتَى الْمَرْحُومُ أَبُوالسُّعُودِ أَفَنْدِي مُفْتِي الرُّومِ، وَعَلَّلَهُ بِالرِّفْقِ لِلْجَانِبَيْنِ، وَقَدْ قَدَّمْتُهُ قَبْلَ فَصْلِ الْقَرْضِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ ." (۷۵۷/۶)

(۶)

فی الفتاوی الحامدیه:

"(سُئِلَ) فِيمَا إذَا كَانَ لِزَيْدٍ بِذِمَّةِ عَمْرٍو مَبْلَغُ دَيْنٍ مَعْلُومٌ مِنْ الدَّرَاهِمِ، فَرَابَحَهُ عَلَيْهَا إلَى سَنَةٍ، ثُمَّ بَعْدَمَا رَابَحَهُ بِعِشْرِينَ يَوْمًا مَاتَ عَمْرٌو الْمَدْيُونُ، فَحَلَّ الدَّيْنُ وَدَفَعَهُ الْوَرَثَةُ لِزَيْدٍ. فَهَلْ يُؤْخَذُ مِنْ الْمُرَابَحَةِ

شيءٌ أوْ لا؟ (الجواب): قال في القُنْيَة: جوابُ المتأخرين أنّه لا يُؤخذُ من المرابحة التي جرت المبايعة عليها بينهما إلّا بقدر ما مضى من الأيّام. قيل له: أتفتي بهذا؟ قال نعم! كذا في الأنقرويّ والتنوير آخر الكتاب. وأفتى به علّامة الرّوم مولانا أبو السّعود والحانوتيّ، والله سبحانه وتعالى أعلم.

وفي هذه الصورة بعد أداء الدّين دون المرابحة إذا ظنّت الورثة أنّ المرابحة تلزمهم فرابحوه عليها عدّة سنين بناءً على أنّ المرابحة تلزمهم حتى اجتمع عليهم مالٌ، فهل يلزمهم ذلك المال أو لا؟ الجواب: حيث ظنّوا أنّ المرابحة تلزمهم وأنّها دينٌ باقٍ في تركة مورّثهم ثمّ بان خلافه، فلا يلزمهم ما ربحوا به في مقابلة المرابحة التي لا تلزمهم على قول المتأخّرين؛ لأنّ المرابحة بناءٌ على قيام دين المرابحة السابقة التي على مورّثهم، ولم يوجد. وهذا في الزائد على قدر ما مضى. وهذه المسألة نظير ما في القنية، قال برمز بخ لبكر خواهر زاده: كأن يطالب الكفيل بالدّين بعد أخذه من الأصيل ويبيعه بالمرابحة شيئًا حتى اجتمع عليه ستّون دينارًا، ثمّ تبيّن أنّه قد أخذه، فلا شيء له؛ لأنّ المبايعة بناءٌ على قيام الدّين ولم يكن. اهـ هذا ما ظهر لنا، والله تعالى الموفّق." (۲/ ۲٤٥)

سوالات وجوابات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت کی تقریر کے بعد حاضرین کے سوالات اور ان کے جوابات

سوال: حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم نے آپ کو جو خط دیا تھا اس میں انہوں نے آپ سے کیا فرمایا تھا؟

جواب: میں نے خلاصہ بتادیا۔ بھائی صاحب فرمارہے ہیں کہ تحریر جو مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے دی تھی وہ بھی سنادوں اور میں نے جو جواب دیا تھا وہ بھی سنادوں۔ میں سنادیتا ہوں آپ کو۔ حضرت نے جو مجھے تحریر سنائی تھی اور دی بھی تھی وہ یہ ہے:

حضرت شیخ الحدیث، رئیس الوفاق دامت برکاتہم العالیہ کا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، وبعد۔

احقر کو علم و فضل کے اعتبار سے جناب سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ علم و فضل ہے ہی نہیں تو نسبت کیا ہوگی؟ البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان نصیب فرما رکھا ہے۔ دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسی زندگی، ایمان والی زندگی اور کلمہ والی موت پر خاتمہ فرمالے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کے لیے اس دُعا کو قبول فرمائے۔ یہ دُعا حضرت نے فرمائی اور سب حاضرین نے اس پر آمین کہا)

(1) اسلامی بینکاری کے حوالے سے تشویش و اضطراب عام ہے۔ علماء و عوام، بینکنگ سے متعلق افراد، تاجر وغیرہ سب موجودہ اسلامی بینکاری کو اسلامی تعلیمات کے خلاف سمجھتے ہیں۔

(2) جتنے معتبر اور معروف دارالافتاء ہیں سب میں اس سلسلے کے استفتاء ہوتے ہیں اور جواز وعدم جواز کے متعلق سوالات کیے جاتے ہیں۔

(3) پاکستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی یہ اضطراب موجود ہے وہ بھی سوالات کرتے ہیں۔

(4) اس صورتِ حال سے دوسروں کی بہ نسبت جناب کو زیادہ سابقہ رہتا ہوگا، کیونکہ آپ ہی پاکستان میں اس کے موجد ہیں۔

(5) علم وفضل کے اعتبار سے آپ کا جو مقام ہے وہ محتاج بیان نہیں، لیکن عصمت حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے۔ دوسرا کوئی معصوم نہیں۔ اس کا امکان بہرحال موجود ہے کہ اسلامی بینکاری کا نظام جاری کرنے میں آپ سے غلطی ہوئی ہے۔ 1، 2 اور 3 میں جو اوپر باتیں کہی گئی ہیں، اس غلطی کے ارتکاب کے لیے واضح دلیل ہیں۔ اضطراب غلطی پر ہی ہوتا ہے اور وہ بھی ایسا اضطراب جس نے تمام طبقات کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ صحیح بات پر اضطراب نہیں ہوتا۔ اگر کوئی معاند معترض ہوتا ہے تو اس کی وجہ عناد ہوتی ہے جبکہ موجودہ صورت میں اُمت کے تمام طبقات اس اسلامی بینکاری پر تشویش واضطراب میں مبتلا ہیں۔ یہاں عناد کا سرے سے کوئی احتمال موجود نہیں ہے۔ ان کا اضطراب سراسر اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی کی بنا پر ہے۔

(6) ربا کا معاملہ انتہائی نازک وسنگین معاملہ ہے۔ اس سلسلے کی وعیدوں سے آپ ہرگز بے خبر نہیں ہیں۔ اس سے احتیاط لازم اور واجب ہے۔

(7) "شبهة الربوا" بھی حرام ہے۔ اگر حقیقت ربا کو قبول نہیں کیا جاسکتا تو "شبهة الربوا" سے تو انکار ممکن نہیں۔

(8) اربابِ فتویٰ کے بیانات اور دوسرے طبقات جو بینکنگ کے اُمور سے باخبر ہیں، ان کے بیانات مسلسل اخبارات ورسائل میں بھی چھپتے رہتے ہیں اور اسلامی بینکاری کو اسلام کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ اپنے دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔ یقیناً یہ تمام بیانات آپ حضرات کے علم میں بھی آتے ہوں گے۔ ضروری تھا کہ آپ ان حضرات کو مطمئن کرتے اور اپنے جواب شائع کرتے۔ اور نہیں تو اربابِ فتویٰ جو آپ ہی کے حلقے کے حضرات ہیں ان سے رابطہ کر کے ان کی تسلی کا انتظام کیا جاتا جو نہیں کیا گیا۔ اگر کبھی کوئی مشاورت ہوئی ہے تو اس کے نتیجے میں اختلاف ختم نہیں ہوا۔ اعتراضات درست وموجود ہیں اور تشویش واضطراب برقرار ہے۔

(9) یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بینکاری کے حوالے سے اپنے آپ کو اعلم الناس سمجھتے ہیں اور دوسروں کی معلومات کو ناقص فرماتے ہیں۔ مجھے تو آپ کی طرف اس قول کی نسبت درست معلوم نہیں ہوتی۔ اگر آپ کا یہ دعویٰ نہیں تو پھر وہی سوال ہوگا کہ آپ نے اشکال کرنے والوں کو مطمئن کیوں نہیں کیا، تاکہ اضطراب رفع ہوتا۔

ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس اضطراب وتشویش کو دور کرنے کے لیے علماء اور اہلِ فتویٰ سے وسیع مشاورت کے بعد ایک فتویٰ اسلامی بینکاری کے عدم جواز کا شائع کیا جائے اور پورے ملک میں اس کی تشہیر کا اہتمام کیا جائے۔ ہم ہرگز تصادم کے خواہاں نہیں ہیں۔ ہم تو دل وجان سے آپ کے خیر خواہ ہیں اور آپ کا احترام کرتے ہیں۔ اُمت کو "ربا" کی لعنت سے بچانے کے لیے اپنا شرعی فرض ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں ذرا بھی تردد نہیں کہ اس فرض کی ادائیگی ہم پر لازم اور ضروری ہے اور اب تک جو ہم سے کوتاہی ہوئی اس پر ہم استغفار کرتے ہیں۔ آپ کے لیے بھی دنیا وآخرت کی فلاح کا واضح تقاضا ہے کہ ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں اور غلط کار مفادات کے اسیر مشورہ دینے والوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔

"اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ، اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ."

یہ تحریر تھی جو حضرت نے مجھے پڑھ کر سنائی بھی تھی اور عطا بھی فرمائی تھی۔

سوال: پھر اس کے بعد آپ نے کیا جواب دیا؟

جواب: میں نے بتایا کہ جواب کا موقع نہیں دیا گیا۔ البتہ واپس آ کر میں نے انہیں یہ خط لکھا:

حضرت شیخ الاسلام مدظلہم کا خط، حضرت رئیس الوفاق دامت برکاتہم کے نام

بگرامی خدمت مخدومی ومکرمی حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہفتہ 9/ جمادی الثانیہ 1429ھ کو آنجناب نے بندہ کو ٹیلی فون پر یاد فرمایا اور بندہ کے استفسار پر آنجناب نے بتایا کہ بینکاری کے سلسلے میں کچھ مشورہ کرنا ہے جس میں کچھ ساتھی اور بھی ہوں گے۔ اس کے لیے اتوار اور پیر کے بعد کوئی دن مقرر کر لیا جائے۔ چنانچہ بندہ نے منگل 21/ جمادی الثانیہ کو عصر کے وقت آنجناب کی خدمت میں حاضری طے کر لی اور اس کے مطابق بندہ جامعہ فاروقیہ حاضر ہوا جہاں شہر کے کچھ دوسرے علماء بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ خیال تھا کہ بینکاری سے متعلق شرعی مسائل کے بارے میں کوئی مشورہ ہوگا لیکن آنجناب نے فرمایا کہ کوئی مذاکرہ مقصود نہیں ہے، بلکہ ایک تحریر پڑھ کر سنائی جو بندہ کے نام تھی، اور اس کا ایک نسخہ بندہ کو بھی عطا فرمایا، اور اس کے فوراً بعد دُعا کرا کر فرمایا کہ مجھے ہوائی اڈے جانا ہے۔ چونکہ یہ تحریر بندہ کے نام تھی اور اس میں غیر سودی بینکاری کی کسی معین غلطی کی نشاندہی کے بغیر یہ فرمایا گیا تھا: ''اسلامی بینکاری کا نظام جاری کرنے میں آپ سے غلطی ہوئی ہے''۔ اور آخر میں سورۂ جاثیہ کی ایک آیت کریمہ کے حوالے سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا تھا کہ مجھ سے یہ غلطی خواہش پرستی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس لیے یہ تحریر سننے کے

بعد بندہ نے آنجناب سے کچھ عرض کرنے کی درخواست کی جس پر آنجناب نے کچھ عرض کرنے کی اجازت نہیں دی، اور فرمایا کہ مجھے ائر پورٹ جانا ہے۔ بندہ نے اختصار ہی کے ساتھ کچھ عرض کرنے کی درخواست کی اور کچھ جملے بولنے شروع کیے تو اس پر بھی آنجناب نے اجازت نہیں دی اور اُٹھ کر تشریف لے گئے۔

بندہ آنجناب کا شاگرد اور نیاز مند ہے اور نہ جانے کتنے مسائل میں آنجناب سے استفادے اور مشورے کا رابطہ ہمیشہ رہتا ہے، لیکن بینکاری کے حوالے سے آنجناب نے اس سے قبل کبھی نہ کسی اضطراب کا اظہار فرمایا نہ اس موضوع پر کبھی کوئی بات کی، نہ بندہ کا موقف معلوم فرمایا۔ بینکاری کے حوالے سے آنجناب سے کسی قسم کی کوئی بات کرنے کا یہ پہلا موقع تھا جسے آنجناب نے ہی مشورے کا عنوان دیا تھا لیکن بندہ کی کوئی بات سنے بغیر یہ یکطرفہ تحریر سنا کر بندہ کو کچھ عرض کرنے کا موقع ہی نہ دینا ایسا معاملہ ہے جس کی کوئی توجیہ بندے کی سمجھ میں نہیں آرہی۔ اگر اس وقت سفر پر تشریف لے جانا طے تھا تو اس ملاقات کے لیے اس وقت کے بجائے کوئی اور وقت بآسانی رکھا جا سکتا تھا۔ بندہ خطاؤں کا پتلا ہے اور اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی پر ہی گزارا ہو رہا ہے۔ نہ جانے کتنی غلطیاں بندے سے سرزد ہوتی ہیں۔ آنجناب تو بندے کے استاد ہیں۔ جو لوگ ضابطے میں بندے سے چھوٹے سمجھے جاتے ہیں ان کی طرف سے بھی اگر کسی غلطی کی نشان دہی ہوتی ہے تو بندہ اُس پر بھی ممنون ہو کر غور کرتا ہے اور غلطی واضح ہونے پر اس کا اعلان واعتراف شائع بھی کرتا رہا ہے۔ لہٰذا غیر سودی بینکاری کے سلسلے میں بندے سے جو غلطی ہوئی ہے، کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کی متعین نشان دہی کے بعد بندے کا موقف بھی ٹھنڈے دل کے ساتھ سُن لیا جاتا؟

بہر حال! چونکہ آنجناب نے بندہ کو اپنا مدعا پیش کرنے کا موقع عطا نہیں فرمایا اس لیے اس خط کے ذریعے کچھ طالب علمانہ گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آنجناب کے اخلاقِ

کریمانہ سے درخواست ہے کہ ان گزارشات کو ازراہِ کرم بغور ملاحظہ فرمائیں۔ ان کا مقصد خدانخواستہ کوئی بحث ومباحثہ ہرگز نہیں ہے، بلکہ الحمدللہ طلبِ حق اور صورتِ حال کی وضاحت ہے۔

پاکستان میں بینکوں کو سُود کی لعنت سے پاک کر کے انہیں شرعی اُصولوں کے مطابق چلانے کی خواہش تو ہمارے اکابر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سب کو رہی اور انہوں نے اس کے لیے ابتدائی کوششیں بھی کیں، لیکن اس کے لیے سب سے پہلے ایک منظم تجویز 1980ء میں اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک رپورٹ کی شکل میں پیش کی۔ حضرت مولانا سید یوسف بنوری صاحب قدس سرہ ابتدا میں کونسل کے رکن تھے اور اس وقت کونسل کا ایک بنیادی کام غیر سودی بینکاری کا طریق کار متعین کرنے کو قرار دیا گیا تھا لیکن اس رپورٹ کی تیاری کے وقت حضرت کی وفات ہو چکی تھی اور ان کی جگہ حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کو رکن بنا دیا گیا تھا۔ نیز اس وقت حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل، حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب اور یہ نیاز مند کونسل کے ارکان میں شامل تھے۔ یہ رپورٹ وسیع پیمانے پر اُردو اور انگریزی میں شائع ہوئی، بحیثیت مجموعی اسے سراہا گیا اور اس پر کوئی اشکال اس وقت سامنے نہیں آیا لیکن جب اس رپورٹ کی تنفیذ کا وقت آیا تو نافذ کرنے والوں نے اس میں ایسی تبدیلیاں کر دیں جن کی وجہ سے اس رپورٹ کی تجاویز کا حلیہ بگڑ گیا اور ''غیر سودی بینکاری'' ایک دھوکا ہو کر رہ گئی۔ اس موقع پر اس دھوکے کے خلاف سب سے پہلے بندے ہی نے آواز اُٹھائی۔ اخبارات اور مضامین کے ذریعے حقیقتِ حال سے عوام کو آگاہ کیا لیکن ساتھ ہی یہ کوشش بھی جاری رکھی کہ غیر سودی بینکاری کے تصور ہی کو ختم کرنے کے بجائے اس میں اصلاح کی صورتیں پیدا کی

جائیں۔ چنانچہ صحیح متبادل طریقے اختیار کرنے کے لیے اس وقت شعبان 1421ھ میں دارالعلوم کراچی میں ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کا ایک اجلاس بلایا گیا تھا جو غالباً کئی روز تک جاری رہا تھا۔ اس میں دارالعلوم کے اصحاب فتویٰ کے علاوہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب قدس سرہٗ، حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب قدس سرہٗ، حضرت مفتی وجیہ صاحب قدس سرہٗ، حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہم اور جامعہ خیر المدارس کے مفتی محمد انور صاحب مدظلہم بھی شامل تھے۔ اس وقت متبادل طریقوں کا تعین کرنے کے لیے ایک تحریر پر سب نے اتفاق کیا۔ البتہ حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہم نے بحیثیت مجموعی اتفاق فرمانے کے ساتھ تین نکات سے متعلق اختلاف فرمایا۔ یہ پوری تحریر حضرت مفتی رشید احمد صاحب قدس سرہٗ نے اپنے ''احسن الفتاویٰ'' کی ساتویں جلد میں صفحہ 21 پر ''بلاسود بینکاری'' کے عنوان سے شائع فرمائی ہے۔

اس تحریر کے ذریعے چند متبادل طریقوں پر بحیثیت مجموعی مجلس کا اتفاق ہوگیا تھا۔ اس لیے اسی بنیاد پر ملکی بینکوں میں تبدیلی لانے کی کوشش کی گئی لیکن افسوس ہے کہ حکومتی سطح پر یہ کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔ اسی دوران عرب ممالک میں ''غیر سودی بینکوں'' کے قیام کی تحریک نے خاصا زور پکڑا اور وہاں اس قسم کے بینک قائم ہونے لگے۔ ان کے طریق کار کے بارے میں ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کے اجلاسات میں غور ہوتا رہا اور اس کی قراردادوں میں بھی بنیادی طور پر وہی موقف اختیار کیا گیا جو ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کی مذکورہ بالا تحریر میں اختیار کیا گیا تھا۔ ان کی تائید میں مفصل مقالات مجمع کے مجلّہ میں شائع ہوچکے ہیں۔ دوسری طرف ہندوستان میں مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب رحمہ اللہ نے ''مجمع الفقہ الاسلامی ہند'' کے نام سے جو ادارہ قائم کیا تھا، اس کے مختلف اجلاسات میں بھی یہ موضوعات زیر بحث آئے جن میں علمائے ہندوستان نے تحقیقی مقالات بھی تحریر فرمائے۔

پھر چونکہ بینکوں کے نظام میں تبدیلی لانے کے لیے اور بھی بہت سے کام ضروری تھے، اس لیے عالم اسلام میں ان کاموں کے لیے الگ الگ ادارے قائم ہوئے۔ انہی میں سے ایک ادارہ ''المجلس الشرعی'' کے نام سے قائم ہوا جو اس وقت بیس علماء پر مشتمل ہے۔ اس کے ارکان میں شیخ محمد الصدیق الضریر (سوڈان)، شیخ وھبہ الزحیلی (شام)، شیخ سعید رمضان البوطی (شام)، شیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع (سعودی عرب)، شیخ عبدالرحمٰن الاطرم (سعودی عرب)، شیخ عبدالستار ابوغدہ (شام)، شیخ عجیل النشمی (کویت)، شیخ علی محی الدین القرہ داغی (عراق)، شیخ نظام یعقوبی (بحرین) جیسے معروف علماء شامل رہے ہیں۔ اس مجلس نے غیر سودی بینکوں کے تفصیلی طریق کار سے متعلق متعین ''معاییر'' تیار کرنے کا کام اپنے ذمے لیا ہے۔ جس میں زیر بحث امور سے متعلق کسی ایک عالم سے کتب فقہ کی روشنی میں ایک مفصل مقالہ اور متعلقہ موضوع پر ایک متن تیار کرایا جاتا ہے جو بطور معیار مالیاتی اداروں میں نافذ کیا جاسکے۔ اس متن پر مجلس شرعی میں بحث ہوتی ہے جو کئی کئی دن جاری رہتی ہے۔ اختلاف آرا کو کھلے دل سے سن کر اس پر آزادانہ گفتگو ہوتی ہے اور جب ایک مسودہ تیار ہو جاتا ہے تو ان علماء کا ایک اجتماع منعقد ہوتا ہے جو مجلس شرعی کے رکن نہیں ہیں مگر ان موضوعات پر تصنیفی اور تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ یہ اجتماع ''جلسۃ الاستماع'' کے نام سے ہر معیار پر دوبارہ غور کرنے کے لیے منعقد ہوتا ہے اور باہر کے علماء کی آرا سنی جاتی ہیں۔ پھر مجلس ان آرا کی روشنی میں مسودے پر دوبارہ غور کرتی ہے اور تیسری خواندگی کے بعد اسے ''معیار'' کے طور پر شائع کیا جاتا ہے۔ اب تک اس طرح تیس کے قریب معاییر شائع ہو چکے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ غیر سودی بینکاری کے سلسلے میں بندے نے جو بھی کام کیا ہے، وہ تنہا اپنی انفرادی رائے کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اسلامی نظریاتی کونسل کی

رپورٹ، مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کی تحریر، مجمع الفقہ الاسلامی کی قراردادوں اور المجلس الشرعی کے صادر کیے ہوئے معاییر کی بنیاد پر کیا ہے۔

پھر بھی یقیناً اس طریق کار کو غلطیوں سے پاک نہیں کہا جاسکتا اور اگر کسی غلطی کی نشان دہی ہوجاتی ہے تو اس کے تدارک کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ نیز اگر اب بھی اہل علم کو اس کے طریق کار میں اشکال ہو تو یہ دروازہ ہر وقت کھلا ہے کہ وہ اشکال سامنے آئے اور اس پر فقہی نکتہ نظر سے غور کیا جائے۔

کچھ عرصہ پہلے جامعۃ الرشید کے حضرات نے کراچی کے اہل فتویٰ حضرات کے لیے تقریروں کے ایسے سلسلے کا اہتمام کیا جس میں غیر سودی بینکاری کے مروجہ طریقوں کی وضاحت کی جائے۔ ہمارے دارالعلوم کے ایک استاذ مولانا احسان کلیم صاحب نے توضیحی تقریروں کا یہ سلسلہ شاید دو ڈھائی ماہ تک جاری رکھا جس میں مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب، مولانا مفتی محمد منظور مینگل صاحب بھی اہتمام سے شریک ہوتے تھے۔ اسی وقت جامعۃ الرشید کے منتظمین اور خود مولانا احسان کلیم صاحب نے یہ وضاحت کی کہ سلسلے کی تکمیل کے بعد ان میں سے جن امور پر فقہی اشکالات ہوں، انہیں مرتب کرلیا جائے اور پھر ایک نشست محمد تقی کے ساتھ رکھ لی جائے جس میں ان اشکالات پر گفتگو ہوجائے۔ مفتی ابولبابہ صاحب نے مجھ تک یہ پیغام بھی پہنچایا اور بندہ نے بخوشی ایسی نشست میں شرکت کا ارادہ ظاہر کیا لیکن پھر نہ کوئی اشکالات مرتب کیے گئے اور نہ ایسی کسی نشست کا اہتمام ہوا جس کا تاثر مولانا احسان کلیم صاحب نے یہ لیا کہ شاید کوئی قابل ذکر اشکالات باقی نہیں رہے۔

آنجناب نے مجھ سے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے چاہیے تھا کہ جن حضرات کو اس معاملے میں تشویش تھی، ان کو مطمئن کرتا۔ بندے کی گزارش یہ ہے کہ اپنی دانست اور بساط کے مطابق بندہ تحریر و تقریر اور انفرادی سوالات کے جوابات میں صورت حال کی وضاحت کرتا

رہا۔ کم از کم تین کتابیں اس موضوع پر لکھی ہیں اور تین مرتبہ علمائے کرام کے سامنے یہ مسائل پیش کرنے کے لیے دارالعلوم میں مفصل کورس منعقد کیے ہیں جن میں دارالعلوم سے باہر کے علمائے کرام کو بھی دعوت دی گئی اور کراچی و بیرون کراچی سے متعدد معروف مدارس کے اساتذہ اور علماء حضرات نے شرکت بھی فرمائی۔ نیز مختلف دورانیوں کے مسلسل کورسوں کا سلسلہ تاحال جاری ہے جس میں معروف مدارس کے علماء بھی شریک ہوتے ہیں۔ جن حضرات کو تشویش تھی وہ اگر اپنی تشویش سے بندے کو مطلع فرماتے اور اس پر فقہی انداز میں گفتگو ہو جاتی تو اگر میری غلطی ثابت ہوتی تو میں اس سے رجوع کر لیتا اور اگر ان کو غلط فہمی ہوتی تو وہ دور ہو جاتی۔

بندہ تمام علمائے کرام اور اہلِ فتویٰ کا نیاز مند ہے۔ ان سب سے ملاقاتیں بھی ہوتی رہی ہیں۔ ٹیلی فون پر بھی بات ہو جاتی ہے۔ دوسرے موضوعات بھی زیرِ گفتگو آتے رہے ہیں۔ کبھی کسی نے اشارۃً یا کنایۃً بھی مجھ سے اس بارے میں کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ آنجناب نے بھی کبھی کسی ملاقات میں اس طرف کوئی اشارہ بھی نہیں فرمایا۔ بلکہ اب معلوم ہوا کہ اس سے پہلے کراچی کے علماء کے ساتھ آنجناب نے متعدد اجتماعات منعقد فرمائے۔ ان اجتماعات میں بھی آنجناب نے اپنے اس نالائق شاگرد کو نہ بلانے کی ضرورت سمجھی، نہ ان کی کارروائی اور ان کی گفتگو سے باخبر کرنا ضروری سمجھا۔ کل پہلی بار آنجناب نے طلب فرمایا تو بندہ حاضر ہو گیا لیکن جناب نے کچھ عرض کرنے کا موقع ہی نہیں دیا اور جو تحریر عطا فرمائی، اس میں بھی بینکاری کے معاملات سے متعلق کسی غلطی کی کوئی نشان دہی نہیں ہے۔ صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ اس معاملے میں اضطراب پایا جاتا ہے اور اضطراب غلطی پر ہی ہوتا ہے۔ اول تو بندے کو اس درجے کے اضطراب کا واقعی علم نہیں ہے جس کا آنجناب نے ذکر فرمایا ہے۔ دوسرے اس قسم کا اضطراب تو لال مسجد کے قضیے میں وفاق المدارس کے بارے میں

بھی رہا ہے لیکن کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وفاق کا موقف غلط تھا؟

آنجناب نے یہ بھی فرمایا ہے: ''یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بینکاری کے حوالے سے آپ اپنے آپ کو اعلم الناس سمجھتے ہیں اور دوسروں کی معلومات کو ناقص فرماتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ بندہ نے کبھی اس طرح کی کوئی بات نہیں کہی۔ اعلم الناس کہنا یا سمجھنا تو درکنار اس بات کا تصور بھی کبھی نہیں آیا۔ نہ دوسروں کے بارے میں کبھی بندہ نے تنقیص کی کوئی بات کی۔ اب بھی اگر کسی عالم کی طرف سے کسی غلطی کی نشان دہی ہو اور دلیل سے ثابت ہو جائے تو ان شاء اللہ اس کے اعتراف واعلان میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔

آنجناب نے میزان بینک کے عملے کے بارے میں جو باتیں ذکر فرمائی ہیں، وہ واقعتاً قابلِ اعتراض ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ بندہ یا شریعہ بورڈ کا کوئی رکن بینک کا نہ مالک ہے نہ بینک کا حصہ دار ہے۔ نہ بینک کے انتظامی معاملات اور عملے کے تقرر سے ہمارا کوئی تعلق ہے۔ ہمارا کام تجارتی عقود ومعاملات کے بارے میں یہ دیکھنے کی حد تک محدود ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہیں یا نہیں؟ اس کے باوجود میں وقتاً فوقتاً اس بارے میں بینک کی انتظامیہ کو متنبہ کرتا رہا ہوں جس کا کچھ اثر بھی ظاہر ہوا ہے، لیکن یہ خرابی بہرحال ابھی تک موجود ہے اور اس کے ازالے کی ممکنہ کوشش بھی ہو رہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ محض عملے کی وضع قطع کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جو تجارتی معاملات بینک میں ہو رہے ہیں، وہ حرام ہیں۔

آنجناب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے: ''ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس اضطراب اور تشویش کو دور کرنے کے لیے علماء اور اہلِ فتویٰ سے وسیع مشاورت کے بعد ایک فتویٰ اسلامی بینکاری کے عدم جواز کا شائع کیا جائے اور اس کی پورے ملک میں تشہیر کا اہتمام کیا جائے۔''

اس سلسلے میں دو گذارشات کرنا چاہتا ہوں۔ اول تو جب آنجناب نے یہ فیصلہ فرما لیا ہے کہ فتویٰ عدم جواز ہی کا ہو گا تو پھر ''مشاورت'' کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔

دوسرے اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ صرف پاکستان نہیں، بلکہ عالمِ اسلام کے اکثر خطوں میں الحمدللہ سود سے پاک مالیاتی ادارے قائم کرنے کا رجحان روز بروز بڑھ رہا ہے اور پچھلے تیس چالیس سال سے، تقریباً تمام عرب ممالک میں نیز ملائشیا، انڈونیشیا، بنگلہ دیش، برونائی وغیرہ میں اور مغربی ملکوں میں سے برطانیہ، امریکا وغیرہ میں ایسے ادارے بڑی تعداد میں قائم ہوئے ہیں جن کی رہنمائی ان علاقوں کے علماء کرتے ہیں۔ یہ سارے کے سارے علماء متساہل یا مداہن نہیں ہیں۔ ان میں بعض ایسے حضرات بھی شامل ہیں جن کے علم کے ساتھ ان کا ورع وتقویٰ بھی ظاہر وباہر ہے۔ پھر چونکہ سودی نظام نے دنیا بھر کو اپنے شکنجے میں بری طرح جکڑا ہوا ہے، اس لیے اس کام کے لیے مناسب فضا تیار کرنے کے لیے بہت سے معاون اداروں کی ضرورت تھی جو رفتہ رفتہ وجود میں آئے ہیں۔ مثلاً: متعدد مقامات پر تاجروں اور پیشہ ور حضرات کو معاملات سے متعلق اسلامی احکام، شرکت، مضاربت، مرابحہ، اجارہ، کفالہ، رہن، زکوۃ وغیرہ سے متعلق بنیادی معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ شرق اوسط کے علماء خاص طور پر ان اداروں کی رہنمائی کے لیے کتابیں، رسالے اور تحقیقی مضامین لکھ رہے ہیں اور اس موضوع پر شائع شدہ مواد بلا مبالغہ لاکھوں صفحات تک پہنچ چکا ہوگا۔ اب عام یونیورسٹیاں بھی اس موضوع کو داخل نصاب کرنے لگی ہیں۔ اس طرح بلاسود بینکاری کے لیے اکاؤنٹ کے ''معیار'' بھی سودی بینکوں سے مختلف ہونے ضروری ہیں۔ اسکے لیے اکاؤنٹ کے ''معاییر'' بحرین کے ایک ادارے نے تیار کیے ہیں۔ کمپیوٹر کے پروگراموں میں تبدیلی کی ضرورت تھی۔ وہ کام الگ ہوا ہے۔ مرکزی بینکوں کے قواعد غیر سودی بینکوں کے لیے الگ ہونے چاہییں۔ چنانچہ پاکستان سمیت کئی مرکزی بینکوں میں اس غرض کے لیے الگ شعبہ قائم کر کے غیر سودی بینکوں کے لیے الگ قواعد بنائے گئے ہیں۔ ان اداروں کی درجہ بندی (ریٹنگ) کے لیے الگ معیار کی ضرورت تھی جس میں شرعی

احکام کی پابندی کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے لیے ان اداروں کی الگ ریٹنگ ایجنسی قائم ہوئی ہے اور یہ سارا کام لادینی حلقوں کی شدید مخالفتوں کے علی الرغم ہوا ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود یقیناً ان اداروں کو خامیوں اور غلطیوں سے پاک نہیں کہا جاسکتا۔ بالخصوص جبکہ یہ نظام اپنے ابتدائی مراحل میں ہے، اس کے لیے موزوں رجال کار کی فراہمی ایک مستقل مسئلہ ہے اور اسے ہر قدم پر سودی نظام کی پیدا کی ہوئی مشکلات سے سابقہ پیش آتا ہے۔ لیکن بندہ یہ سمجھتا ہے کہ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ حتی الامکان ان خامیوں اور غلطیوں کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی جائے نہ یہ کہ ان خامیوں کی وجہ سے غیر سودی بینکاری کے اس سارے کام کو بیک جنبش قلم رائیگاں اور ناجائز قرار دے کر ان سے بالکل قطع تعلق کرلیا جائے۔ اس سے بظاہر یہ ادارے ختم تو نہیں ہوں گے لیکن اول تو ان کی خامیوں میں اور اضافہ ہوگا اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان خلفشار بڑھے گا اور اس کے نتیجے میں دراصل سودی نظام اور ان لادینی طاقتوں کے ہاتھ مضبوط ہوں گے جو ان کوششوں کی دشمن ہیں اور جن کا عین مفاد یہ ہے کہ غیر سودی بینک ناکام ہوں اور ان کے اس پروپیگنڈے کو تقویت حاصل ہو کہ سود کے بغیر تجارت و معیشت چل نہیں سکتی۔

یہ چند طالب علمانہ گزارشات تھیں جو بندہ آنجناب کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تھا۔ اُمید ہے کہ آنجناب ان پر ہمدردانہ غور فرمائیں گے۔

والسلام

بندہ محمد تقی عثمانی عفا اللہ تعالیٰ عنہ

اسلامی بینکوں کی نگرانی کا نظام اور اس کے مختلف مراحل:

خط سنانے کے بعد:

ایک بات یہاں پر یہ بھی عرض کردوں کہ یہ بھی بسا اوقات کہا جاتا ہے کہ بھئی! آپ

نے نظام تو دے دیا لیکن اتنے بڑے اداروں میں ان کے چیکنگ کا انتظام کہ واقعتاً وہ ان قواعد کے مطابق چل رہے ہیں یا نہیں؟ یہ آپ نے نہیں کیا۔ تو تھوڑا سا میں آپ کو اس کے متعلق بتادوں۔ چیکنگ کا یہ نظام ہے کہ ہر معاملہ جو بھی ہوگا، مثلاً مرابحہ ہی فرض کیجیے۔ اس کے اندر جو شرائط ہیں، ان کی تکمیل کے لیے کس طرح اس کی چیکنگ ہوگی؟ تین چار مرحلوں میں اس کی چیکنگ کا نظام ہے۔ سب سے پہلے مرابحہ اسی جگہ ہوسکتا ہے جہاں واقعتاً خریداری ہو رہی ہو۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حیلہ ہے۔ حیلہ اسے کہتے ہیں جہاں پر مقصود تو کچھ اور ہے اور اس کی جگہ آپ نے عقد کوئی اور بنالیا ہے۔ یہ حیلہ ہے۔ جبکہ یہاں مرابحہ ہوتا ہی اس چیز پر ہے جو آدمی خریدتا ہے۔ میں نے مثال دی تھی روئی کی۔ ایسا نہیں کہ بینک کے پاس آنے والا شخص خریدنا نہیں چاہتا اور ہم نے خواہ مخواہ ایک خریداری گھڑلی ہے۔ وہ واقعی چاہتا ہے خریداری۔ اس خریداری کے لیے مرابحہ کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے...... لیکن اس میں جو شرعی شرائط ہیں اور اس کے نظام میں جو قواعد ہیں، وہ آیا پورے ہو رہے ہیں یا نہیں؟ اس کا پورا نظام ہے۔ اس کے لیے پورا ''معیار'' ہے۔ اندرونی بیرونی کئی شاخوں میں اس کا ہم جائزہ لیتے ہیں۔ سب سے پہلے آیا جو شخص مرابحہ کے لیے رقم مانگ رہا ہے، واقعی یہ خریداری کرے گا یا نہیں؟ آیا یہ خریداری ایسی چیز کی ہے جو بینک کے ضمان میں آسکتی ہے۔ اس کے ضمان کو بینک قبول بھی کرتا ہے یا نہیں؟ اگر فرض کرو جیسے پہلے یہ ہوتا تھا کہ لوگ آتے تھے کہ مزدوروں کی تنخواہ دینے کے لیے پیسے نہیں ہیں، اس کے لیے قرض چاہیے۔ سودی بینک تو اس مقصد کے لیے سود پر قرض دے دیتے ہیں۔ جبکہ یہاں (اسلامی بینکوں میں) اس کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ یا بجلی کا بل آیا ہوا ہے۔ فلاں بل آیا ہے۔ اس کے لیے پیسے مانگتے ہیں۔ اس کا کوئی راستہ یہاں نہیں ہے۔ یہاں اسی چیز کا معاملہ ہوگا جہاں گاہک واقعتاً خریداری کرنا چاہتا ہے۔ سب سے پہلے اس کی چیکنگ ہوتی ہے۔

پھر خریداری والی چیز آیا اس قابل ہے کہ اس پر قبضہ کیا جا سکے؟ ایسا قبضہ جس کے نتیجے میں اس کا ضمان بینک پر عائد ہو سکے۔ کتنی مدت تک بجلی اور گیس کے لیے رقم لینے کے لیے لوگ اسلامی بینکوں میں آتے رہے۔ یعنی بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو گیس کا کاروبار کرتے ہیں۔ مثلاً فرٹیلائزر یعنی کھاد کے کارخانے والے، ان کو گیس کی خریداری کی ضرورت ہوتی ہے۔ گیس کے لیے ان کو پیسے چاہییں۔ اب کتنے دنوں تک اس پر تحقیق ہوتی رہی کہ کیا گیس پر قبضے کا تصور ممکن ہے؟ کیونکہ قبضے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے بینک کے ضمان میں آئے تب آگے اس کو فروخت کر سکے گا۔ گیس ضمان میں کیسے آئے؟ وہ تو گیس کی پائپ لائن سے ہو کے جا رہی ہے اور مسلسل جا رہی ہے۔ اس کے اندر کوئی مرحلہ ایسا مقرر کرنا کہ پہلے وہ بینک کے ضمان میں آئے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس کو رد کر دیا کہ نہیں ہم یہ معاملہ نہیں کر سکتے۔ اسی طریقے سے بجلی کے اندر ہوا۔ یہ چیکنگ ہوتی ہے۔ پھر بعد میں آیا وقت پر جو مختلف مراحل ہیں، ان میں قواعد پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں؟ اس کا پورا ''مینول'' ہے جس کے اندر اس کا جائزہ لیا جاتا ہے اور جس کے ذریعے مکمل چیکنگ ہوتی ہے۔

اب اسٹیٹ بینک کی جو بات کی جاتی ہے۔ اسٹیٹ بینک کے لیے دو جلدیں ہیں جو اسی شعبے سے متعلق ہیں۔ یعنی اسٹیٹ بینک کی طرف سے اس بات کے آڈٹ کا انتظام کہ آیا یہ جو اسلامی بینک ہیں یہ واقعتاً اس طریقہ کار کی پیروی کر رہے ہیں یا نہیں جو ہم نے ''معاییر'' کے ذریعے مقرر کیے ہیں؟ اس کے لیے پوری یہ دو جلدیں ہیں۔ یہ اسٹیٹ بینک کی ویب سائٹ پر بھی موجود ہے۔ اس نظام کے تحت اسٹیٹ بینک جو نگرانی کرتا ہے یعنی ہمارے شریعہ نظام سے الگ وہ جو نگرانی کرتا ہے، وہ اس کے نظام میں بھی شامل کی گئی ہے۔ یہ کام ایسا نہیں ہے کہ سارا کا سارا ایک دن ایک رات میں مکمل ہو گیا۔ اس کے لیے محنتیں ہوئی ہیں۔ اس کے لیے کام ہوئے ہیں۔ ہاں! البتہ خامیاں پھر بھی ہو سکتی ہیں۔ ان خامیوں کو رفتہ

رفتہ دور کیا جا سکتا ہے۔ جو فقہی مسائل ہیں ان پر گفتگو کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔

یہ چند مزید سوالات ہیں۔ اگر اجازت ہو تو ان کا جواب دوں۔

تکافل کا شرعی طریقہ کار:

سوال: تکافل کے بارے میں مختصراً کچھ ارشاد فرمائیں۔

جواب: تکافل کے بارے میں سب سے پہلے اجتماع دارالعلوم میں بلایا گیا تھا۔ اس میں اس کے شرعی متبادل پر بحث ہوئی تھی اور پھر اس کے بعد اس میں جو طریقہ کار طے ہوا تھا اس کے مطابق تکافل کا نظام قائم کیا گیا ہے جو وقف کی بنیاد پر ہے۔ باقی اس بارے میں فتویٰ مفصل کتابی شکل میں چھپ کر آیا ہے۔ اس کے اندر اس کی تفصیل موجود ہے۔

اسلامی بینکوں کی شرکت ومضاربت کی بنیاد پر ریٹنگ:

سوال: کیا اسلامی بینکوں کی عالمی سطح پر ایسی نگران کمیٹی نہیں ہوسکتی جو انہیں اس بات پر مجبور کرے کہ آپ نے اس سال مثلاً 15 فیصد کاروبار شرکت ومضاربت کی بنیاد پر کرنا ہے؟ جو بینک ایسا نہ کرے اس کی ریٹنگ کم کردی جائے اور اس ریٹنگ کو شائع بھی کریں؟

جواب: بڑا اچھا سوال کیا ہے۔ بڑی اچھی بات کہی ہے۔ یہ ریٹنگ ایجنسی جو قائم ہوئی ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ اس کے مقاصد میں یہ بھی داخل ہے۔ دیکھیے! ابھی تک ایسا تو ہے نہیں کہ کوئی ''ہیئت حاکمہ'' ہو ان سب کے اوپر جس کا حکم ان سب پر واجب التسلیم ہو، لیکن یہ ضرور ہے کہ ان ذرائع کے ذریعے ان پر زور ڈالا جا سکتا ہے اور اس ریٹنگ ایجنسی کے جو ریٹنگ کے اصول ہیں اس میں اس بات کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ میں آپ کو یہ بھی بتادوں کہ مشارکہ، مضاربہ کے زیادہ استعمال اور مرابحہ کے کم استعمال پر اب کچھ عرصے سے عالمی سطح پر آوازیں اُٹھ رہی ہیں اور ادارے بھی قائم ہورہے ہیں یعنی سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور وفکر شروع ہوگیا ہے اور کچھ عرصے سے میں چونکہ اس سلسلے سے ہٹنا چاہتا

تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ آخری عمر کچھ اللہ اللہ کرنے میں، کچھ تصنیف کے کام میں گزاروں تو یہاں سے نکلوں، لیکن یہ ذہن میں ہے کہ اس کو کہیں پہنچا کر نکلوں۔ اس کے لیے الحمدللہ کام ہو رہا ہے اور اس سوچ میں اضافہ ہو رہا ہے الحمدللہ۔ دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو تکمیل تک پہنچا دے۔

اسلامی بینکوں میں شرکت و مضاربت کے حوالے سے درپیش مشکلات:

سوال: پاکستان میں اسلامی بینکاری کو کم از کم 25 سال ہو چکے ہیں، لیکن اب تک شرکت و مضاربت کی بنیاد پر ان کو چلایا نہیں جا سکا۔ کیا مستقبل میں اس کی کوئی اُمید ہے؟

جواب: دیکھیے! جب ہم کوئی بات کریں تو اس کے سارے عملی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر کرنی چاہیے۔ جیسا کہ میں بیان میں عرض کر رہا تھا کہ جب ہم کسی مسئلے پر کسی کو رائے دیں کہ اس پر عمل کرو تو پہلے اپنے آپ کو اس کی جگہ کھڑا کر کے دیکھ لیں کہ اگر ہم اس کی جگہ ہوتے تو ہم کیا کرتے؟ آج صورتِ حال یہ ہے کہ ہر شخص اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ لے کہ اگر کسی کے پاس 10 کروڑ روپے ہوں اور وہ چاہتا ہے کہ اسے میں کسی نفع بخش کاروبار میں لگاؤں تو کسی کے ساتھ شرکت و مضاربت کا عقد کرنے میں اس کو کیا کیا دشواریاں پیش آئیں گی؟ اس کو سوچ لینا چاہیے۔ بددیانتی کا چلن عام ہے۔ کیا ہو رہا ہے دنیا میں؟ ایسا ہوا ہے کہ مشارکہ کے نام پر لوگ گئے اور آ گئے کہ جی! ہمیں تو نقصان ہو گیا۔ پھر صورتِ حال یہ ہے کہ کوئی بھی تاجر اپنا حقیقی نفع انکم ٹیکس کی وجہ سے ظاہر کرنے پر تیار نہیں ہو سکتا۔ ڈبل اکاؤنٹنگ کا سسٹم قائم ہے تو اسکے لیے بہت سی مشکلات ہیں۔

شرکت و مضاربت کے ایک شائق کا سچا واقعہ:

تیسرا یہ کہ تاجروں کی ایک ذہنیت ہے۔ یہ بھی اس میں بڑی رکاوٹ ہے۔ میں ایک سچا واقعہ بتا دیتا ہوں۔ چونکہ میں کہتا رہتا ہوں بینکاروں کو کہ شرکت کرو، شرکت کرو! تو ایک

پارٹی میرے پاس آئی۔ بہت دین دار آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت کریں۔ انتقال کر گئے۔ آئے اور کہنے لگے: ''ہمیں شرکت پر کاروبار کرا دیں۔'' میں نے کہا بڑی اچھی بات ہے۔ بڑے بااعتماد آدمی تھے۔ ان پر شبہ بھی نہیں تھا کہ بددیانتی کریں گے۔ میں نے اس وقت جس بینک کے ساتھ میرا تعلق تھا اس کے ذمہ دار کو فون کیا۔ میں نے انہیں کہا کہ میں پوری گواہی دینے کو تیار ہوں کہ بہت قابل اعتماد آدمی ہیں۔ آپ ان سے مضاربت کا معاملہ کرلیں۔ خیر! وہ گئے۔ دو دن بعد بینک کے ذمہ دار سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا ہوا ان کا؟ کہنے لگے: ''وہ تو کہہ رہے تھے کہ سودی بینک تو 12 فیصد منافع دیتے ہیں اور آپ کو میں شرکت میں اگر منافع دوں گا تو مجھے 25 فیصد دینے پڑیں گے۔ کوئی ایسا طریقہ اختیار کرو کہ ہو تو وہ شرکت، لیکن مجھے 12 / فیصد سے زیادہ نہ دینا پڑے۔'' تو یہ تاجروں کی ذہنیت ہے۔ تاجر کہتے ہیں کہ جب 12 / فیصد پر ہمیں پیسہ مل رہا ہے سود پر، تو شرکت کے ذریعے ہم پچیس فیصد کیوں دیں؟ تو یہ ایک ذہنیت ہے اور یہ ذہنیت محض سودخوروں کی نہیں بلکہ دین داروں کی بھی ہے۔ اس ذہنیت کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ یہ سارے مسائل ہیں لیکن ان مسائل کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ہم بس مایوس ہو کر بیٹھ جائیں اور اس پر کام نہ کریں۔

اس موقع پر صدر دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب مدظلہ نے کہا کہ وہ دین دار بزرگ جو ہیں، میں ان کو جانتا ہوں۔ انتقال ہو گیا۔ تہجد گزار تھے۔ نماز باجماعت تکبیر اولیٰ کے پابند تھے اور بزرگوں سے والہانہ عقیدت رکھنے والی شخصیت تھی۔ تو یہ ہے صورتِ حال۔ یہ تازہ تازہ مثال موجود ہے زندگی میں کہ تاجر لوگ شرکت پر تیار نہیں ہوتے۔ ہوتا کیا ہے شرکت میں جس کی وجہ سے ہم اس پر زور دیتے ہیں؟ ہوتا یہ ہے کہ سرمایہ کا رخ اوپر جانے کے بجائے نیچے کی طرف جائے گا۔ اس سے غریبوں کو بھی کچھ ملے گا۔ اس پر سرمایہ دار لوگ تیار نہیں۔

یہ صورتِ حال ہے۔ اس کی وجہ سے دشواریاں ہیں، لیکن ان دشواریوں کے باوجود اب الحمدللہ اس طرف رجحان پیدا ہورہا ہے۔ خدا کرے اس میں کامیابی ہو۔ آپ نے تجویز دی ہے اس کے مطابق بھی عمل ہورہا ہے۔ یعنی اب شریعہ بورڈز یہ بھی کررہے ہیں کہ آپ اس مقدار سے زیادہ مرابحہ نہیں کرسکتے۔ آپ شرکت ومضاربت کی طرف بڑھیں۔ تو اس میں تھوڑا تھوڑا کرکے کچھ راستے بھی نکل رہے ہیں۔ اللہ کرے اس میں کامیابی ہو۔

اسلامی بینک اور مائیکروفائنانسنگ:

سوال: اسلامی بینکاری مقاصدِ شریعہ کو کس حد تک پورا کررہی ہے؟ مثلاً غریب آدمی کی فلاح وبہبود اس صورت میں کہ اسے چھوٹی اشیا مناسب منافع پر دی جائیں جیسا کہ محمد یونس کے بینک نے کیا ہے، اگرچہ وہ ایک سودی بینک ہے۔

جواب: بات یہ ہے کہ اس پر بھی بعض بینکوں نے کام شروع کیا ہے کہ غریب علاقوں میں مختلف لوگوں کی بہتری کے لیے ایسا طریقہ جس کو ''کنزیومر فائنانسنگ'' کہتے ہیں یا ''مائیکروفائنانسنگ'' کہتے ہیں۔ چھوٹی چیزوں کے طور پر کام کرنا شروع کیا جائے لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جہاں یہ مائیکروفائنانسنگ ہوئی وہاں پر شرح منافع بہت زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ انہیں پیسوں کے ڈوب جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ کہتے ہیں منافع زیادہ رکھیں تو ہم یعنی بعض غیرسودی بینکوں نے کسی حد تک یہ سلسلہ جاری کیا ہے اور اس کے لیے کچھ مناسب اقدامات بھی کیے جارہے ہیں اور بعض جگہ اس کے بڑے اچھے نتائج بھی آئے ہیں۔

سوال: محمد یونس کے بارے میں کچھ معلومات، یہ کیسا کام کررہے ہیں؟

جواب: یہ سودی بینک ہے۔

سوال: سنا ہے پاکستان میں عنقریب مائیکروفائنانسنگ شروع کرنے کے امکانات ہیں۔

جواب: اس پر کافی کام ہورہا ہے۔ اس کا جو طریقہ کار ہے یعنی سود کو نکال کر باقی جو

چیزیں ہیں ان کا جائزہ لے کر اب ان شاء اللہ عنقریب یہ کام شروع ہوا چاہتا ہے۔ ویسے میں ایک بات آپ کے سامنے عرض کردوں جو میں شروع سے آپ سے کہتا چلا آرہا ہوں۔ موجودہ جو طریقے رائج ہیں، مرابحہ یا اجارہ، ان کا بہت بڑے پیمانے پر شرعی معاشی مقاصد کو پورا کرنے میں بہت کم حصہ ہوگا جب تک کہ بینکنگ کا پورا نظام شرکت ومضاربت پر نہ آئے۔

حالیہ عالمی بحران میں اسلامی بینک کیوں سب سے کم متاثر ہوئے؟

اس کے باوجود آج اس طریقہ ہائے کار کی وجہ سے اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ ساری دنیا اس وقت مالیاتی بحران میں مبتلا ہے۔ اس میں سب سے کم متاثر غیر سودی بینک ہوئے ہیں۔ ''واشنگٹن پوسٹ'' میں تین دن پہلے ایک مضمون آیا۔ اس میں انہوں نے لکھا کہ حالیہ مالی بحران سے سب سے کم متاثر ہونے والا طبقہ اسلامی بینکنگ ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ اس پر غور کریں کہ یہ کیا بات ہے؟ یعنی انہوں نے اس کا اعتراف کیا۔ پھر اس کے اوپر دوسرا مضمون بھی شائع ہوا جو میں نے بتایا کہ میرے بارے میں یہودیوں کے مضمونوں کی بہت بہتات ہورہی ہے۔ دوسرے مضمون میں اس نے پھر وہی گالیاں مجھے دینا شروع کی کہ ان کی وجہ سے یہ ہوا۔

یہاں صدر دارالعلوم کراچی مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب نے فرمایا:

دبئ کے حالیہ مالیاتی بحران کی وجہ:

''ابھی پچھلے ہفتے میں تین دن کے لیے دبئ گیا۔ ایک بہت بڑی کاروباری شخصیت میرے میزبانوں میں تھی۔ ان کے بیٹے اور ان کے ایک دوست جو کراچی سے پانچ سال پہلے وہاں چلے گئے تھے اور جو لوگ چودہ پندرہ سال سے وہاں ہیں وہ بتا رہے تھے ہمیں تو اللہ نے اس غیر سودی بینکاری کے نتیجے میں بڑی مصیبت سے بچالیا اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے حوالے سے کہنے لگے ہمارے ہاں ایک ایسوسی ایشن ہے ''پاکستان ایسوسی ایشن'' کے

نام سے۔ میں انہی کی دعوت پر گیا تھا۔ وہاں بیان تھا۔ کہنے لگے کہ جس طریقے کا اجتماع ہم نے آپ کے ساتھ کیا ہے اسی طرح کا ہم نے مولانا تقی عثمانی صاحب کے ساتھ کیا تھا۔ اس میں ہم نے تاجروں اور صنعت کاروں کو جمع کیا تو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے اس وقت جو باتیں بیان کیں وہ سب تاجروں اور صنعت کاروں کے لیے بڑی ناگوار تھیں۔ ناگوار اس اعتبار سے کہ قلبی طور پر، نظریاتی طور پر دین وایمان کی بات تو سمجھتے ہیں لیکن اپنے لیے ناقابلِ عمل سمجھتے ہیں یا کم از کم بہت مشکل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ کہنے لگے ہمیں بھی یہ بڑی مشکل باتیں معلوم ہو رہی تھیں۔ اللہ نے ہمیں توفیق دی۔ ہم نے سودی کاروبار سے توبہ کر لی اور اسے تقریباً ختم کر دیا۔ آج دبئی میں زبردست بحران ہے۔ ہم اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ آج ہم سب بچے ہوئے ہیں۔ ہمارے ساتھ جن جن لوگوں نے سودی کاروبار چھوڑا تھا وہ سب بھی بچے ہوئے ہیں۔''

حضرت شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی صاحب نے یہ سن کر فرمایا:

''یہ جو واقعہ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ دبئی میں ایک کاروبار چل رہا تھا۔ یہاں بھی ہے کہ فلیٹوں کی خرید وفروخت بغیر قبضے کے، بغیر شرعی شرائط کے ہو جاتی ہے۔ یعنی ابھی فلیٹ بن رہا ہے۔ ایک آدمی نے بکنگ کرالی۔ اس نے دوسرے کو بیچ دیا۔ دوسرے نے تیسرے کو بیچ دیا۔ تیسرے نے چوتھے کو بیچ دیا۔ ابھی عمارت وجود میں ہی نہیں آئی اور اس کی خرید وفروخت ہوتی رہتی ہے۔ یہ سب لوگ جمع ہو کر کہہ رہے تھے ہمارا سارا کاروبار ہی یہی ہے۔ ہم کیا کریں؟ میں نے کہا: ''بھائی! حرام ہے۔ میں کیا کروں؟ شریعت میں جائز نہیں۔'' میں نے اس وقت یہ بات کہی تھی کہ یہ سٹہ ہے۔ اس کی ساری بنیاد سٹے پر ہے۔ آپ دیکھیے گا کسی وقت آپ کو یہ ہلاکت میں ڈالے گا۔ پھر وہاں سے پورا وفد آیا کہ ہمارے ایگریمنٹ دیکھ لیجیے۔ میں نے دیکھ کر کہا: ''اس میں تو مجھے کوئی جواز کی صورت نظر نہیں

آتی۔ یہ ناجائز ہے۔ سمجھ لو کہ سب سٹہ ہو رہا ہے۔" آخر کار یہ ہوا کہ جتنے سٹے کے کاروبار تھے وہ سب ٹھپ ہو گئے۔

ٹرینیڈاڈ کے صدر سے ملاقات:

میں ابھی "ٹرینیڈاڈ" گیا تھا۔ وہاں میرے جو میزبان تھے، انہوں نے مجھے وی آئی پی ٹریٹمنٹ دینے کے لیے میرا تعارف نامہ وزارت داخلہ میں بھیج دیا۔ ایئرپورٹ پر استقبال کے لیے کوئی کارروائی کرنا پڑتی ہوگی۔ پتا نہیں وہ کیسے وہاں کے صدر کے پاس پہنچ گیا؟ صدر نے ان کو فون کیا کہ جب یہ آئیں تو میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ خیر! میں نے کہا: اچھا بھائی! میرے پروگرام میں شامل نہیں تھا۔ انہوں نے شامل کر دیا۔ خیر میں چلا گیا۔ صدر صاحب کہنے لگے: "میں نے آپ کا تعارف نامہ دیکھا تو اس میں لکھا تھا کہ اسلامک فنانس سے آپ کا تعلق رہا ہے۔ میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ میں دیکھ رہا ہوں اور لوگوں نے بھی مجھے بتایا ہے کہ عالمی بحران سے اسلامک فنانس کے ادارے نسبتاً کم متاثر ہوئے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی تفصیلات کیا ہیں؟" میں نے مختصراً بتایا۔ وہ بڑی دلچسپی سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ سنتے رہے۔ مطلب یہ کہ دنیا کو یہ احساس اب تھوڑا تھوڑا ہونا شروع ہوا ہے اور یہ جو مضامین آرہے ہیں، یہ اس بات کی علامت ہیں کہ اسلامی اور سودی بینکاری کے فرق کو دنیا سمجھ رہی ہے۔

سودی معیشت "ببل اکانومی" ہے:

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اسلامی بینکاری میں بھی وہی شرح منافع ہے۔ اس میں بھی وہی سب کچھ ہے۔ حالانکہ اس میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس میں جو معاملہ بھی ہے وہ کسی اثاثے سے وابستہ ہے۔ یعنی بیع ہے کسی چیز کی۔ اجارہ ہے کسی چیز کا۔ جو کچھ بھی ہے وہ کسی اثاثے سے وابستہ ہے۔ یہ جو موجودہ سودی بینکنگ سسٹم ہے اس میں کوئی تعلق کسی

اثاثے سے نہیں ہوتا۔ وہ ہوائی چیزیں ہیں۔ اس کے نتیجے میں جیسے میں نے تقریر بھی کی تھی کہ اس وقت جو دنیا میں روپے کا پھیلاؤ ہے وہ بالکل جھوٹا ہے۔ یعنی اس کے پیچھے حقیقت ہے ہی نہیں۔ اس کے پیچھے سرے سے کوئی اثاثہ ہی نہیں۔ یعنی نوٹ بھی نہیں ہیں۔ جیسا ہوتا ہے کہ نوٹ کے پیچھے سونا ہوتا تھا۔ سونا بھی ختم ہوگیا، اب نوٹ بھی نہیں ہیں۔ یعنی صرف نمبر ہے اور وہ پیسہ شمار ہورہا ہے۔ پھر بیع قبل القبض، شارٹ سیلز، بلیک سیلز، قرض کی بیع..... طرح طرح کی فاسد بیوع ہو رہی ہیں۔ موجودہ سارا بحران ''بیع الدین'' سے چلا ہے۔ میں نے فیصلہ میں لکھا تھا کہ آج کل کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں ''ببل اکانومی'' یعنی بلبلہ۔ میں نے کہا: یہ بلبلہ نہیں غبارہ ہے جو کسی وقت بھی پھٹ جائے گا اور واقعی وہ پھٹ گیا۔

اسلامی بینکاری پر مفتیانِ کرام کیا فتویٰ دیں؟

سوال: آنجناب کے بیان سے واضح ہوا ہے کہ بینکاری کے مروجہ اسلامی نظام پر بعض حضرات نے جو اشکالات کیے ہیں ان میں سے بعض اعتراضات قابلِ غور ہیں۔ ان میں اربابِ فتویٰ کو کیا فتویٰ جاری کرنا چاہیے؟

جواب: جو قابلِ نظر مسائل تھے وہ میں نے آپ کے سامنے پیش کردیے اور جو کچھ ہماری رائے تھی وہ بھی آپ کے سامنے پیش کردی ہے، لیکن بہرحال آپ سب حضرات صاحبِ فتویٰ ہیں تو ان پر غور فرمائیں، لیکن تمام متعلقہ مواد کو سامنے رکھ کر غور وفکر ہو۔ جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو مدنظر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں جو اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیں، اسی کے مطابق عمل کریں۔

میزبان:

یہاں میں یہ بات عرض کروں گا کہ کچھ حضرات نے تو یہ باتیں نوٹ کرلی اور کچھ حضرات صرف سن کر جارہے ہیں۔ ممکن ہے انہیں حضرت کی یہ باتیں یاد نہ رہیں۔ مولانا کی

پوری تقریر الحمدللہ محفوظ ہوگئی ہے۔ وہ پوری کی پوری آپ حضرات یہاں سے لے لیں۔اس کو دوبارہ سہ بارہ سن لیں۔اس میں جو باتیں کہی گئی ہیں ان پر اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر غور کرلیں۔ یہ وقت کی ضرورت ہے۔

حضرت:

بالکل صحیح! اور اگر جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اب چونکہ مختلف تحریریں آرہی ہیں۔ بہت مختلف آراء بھی سامنے آرہی ہیں لیکن جو تحریریں آرہی ہیں، ان میں شاید 80 فیصد باتیں ایسی ہیں جو واقع کے مطابق نہیں۔یعنی جو واقعہ ہے نفس الامر میں، اس پر پوری طرح مطلع ہوئے بغیر کہی گئی ہیں۔تو جب بھی کوئی بات سامنے آئے تو اصل واقعہ کی تحقیق کرلیں اور اس میں جو شخص ہم سے کوئی تعاون چاہے گا اس کے لیے ہم ان شاء اللہ ہر وقت تیار ہیں۔کوئی دشواری نہیں ہوگی۔
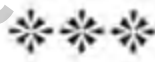
***

اسلامی بینکاری کا مسئلہ

اُصولِ فتویٰ کی روشنی میں

خطاب

حضرت مولانا مُفتی مُحمّد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ

مفتی اعظم پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم، أما بعد:

اللہ رب العالمین کے فضل وکرم سے حضرات علمائے کرام اور مفتیان کرام کا اجتماع حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم نے منعقد کرکے ہم سب کے لیے مل بیٹھنے کی صورت فراہم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے رفقائے کار اور برادران کو ان معاملات میں اور زیادہ معاون بننے کی توفیق عطا فرمائے اور آیندہ بھی اس قسم کے اجتماعات ہوتے رہیں۔ الحمدللہ! موضوع سے متعلق تمام باتیں تفصیل سے بڑی حد تک آچکی ہیں جن پر مزید اضافے کی ضرورت نہیں۔ البتہ دو تین باتیں اس صورتِ حال سے متعلق میں عرض کرتا ہوں جو پیش آئیں۔

غیر منصوص مسائل کی تخریج کا اُصول:

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس قسم کے فقہی مسائل جن میں کوئی ''نص صریح'' موجود نہ ہو، پیش آجائیں جن کو اصول فقہ کی اصطلاح میں ''نوادر'' بھی کہتے ہیں، ''واقعات'' بھی کہتے ہیں۔ ان میں جب ''نص صریح'' موجود نہ ہو تو ہمارا کام یہ ہے کہ اگر ہم مقلد ہیں تو اپنے امام کا قول دیکھیں گے۔ وہ بھی صریح نہ ملے تو بعد کے مجتہدین فی الفقہ، مجتہدین فی المذہب یا اصحاب التخریج یا اصحاب الترجیح کے اقوال کو یا مجتہدین فی المسائل کو ہم دیکھیں گے۔ اور مجتہدین فی المسائل کا سلسلہ الحمدللہ ابھی بند نہیں ہوا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا امداد الفتاویٰ اس پر شاہد عدل ہے اور ہمارے دوسرے بزرگوں کے فتاویٰ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے فتاویٰ، ہمارے والد صاحب کے فتاویٰ وغیرہ اس کے گواہ ہیں کہ مجتہدین فی المسائل کا سلسلہ چل رہا ہے، لیکن ہمارے ان بزرگوں نے

اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ جو بھی ایسا مسئلہ ہو جس میں ''عموم بلوی'' ہو، وہ پورے عالم اسلام یا پورے ملک سے متعلق ہو تو تنہا انفرادی رائے سے کوئی فتویٰ جاری نہیں کرتے تھے بلکہ مشورہ کرتے تھے۔ اگر مجلس منعقد نہیں ہو سکی تو فتویٰ کی تحریر تجویز کے طور پر لکھ کر دوسرے دارالافتاء میں بھیج دی اور سب کی رائے معلوم ہوگئی تو پھر اس فتویٰ کو شائع کیا گیا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں ہمارے والد صاحب اور حضرت مولانا عبدالکریم رحمہ اللہ نے مل کر یہ کام کیا۔ تمام علماء سے رجوع کیا اور علمائے مالکیہ سے خط وکتابت ہوتی رہی۔ دارالعلوم کراچی میں ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کا حال آپ جانتے ہیں۔ یہی کوشش ہوتی رہی ہے کہ اجتماعی غور وفکر کے بعد فتویٰ جاری ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ اجتماعی غور وفکر کے بعد سب کا اتفاق رائے ہو جائے۔ مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف ہوا کرتا ہے۔

میرے والد صاحب کا ایک واقعہ:

والد صاحب رحمہ اللہ اپنا واقعہ سنایا کرتے تھے جب میں دارالعلوم میں صدر مفتی تھا ایک مستفتی نے میرے پاس ایک سوال بھیجا اور اس نے غضب یہ کیا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے پاس بھی وہی سوال بھیج دیا۔ جب دونوں جواب اس کے پاس پہنچے تو دونوں مختلف تھے۔ میرا جواب کچھ اور تھا اور میرے شیخ کا جواب کچھ اور تھا۔ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔ اس پر غور کرنا چاہیے۔'' غور وفکر ہوا تو میں حضرت کی رائے سے مطمئن نہ ہو سکا اور نہ حضرت کو میں مطمئن کر سکا۔ حضرت نے فرمایا: ''میں غور کرتا ہوں اور تم بھی غور کرو۔ پھر بیٹھتے ہیں۔'' پھر دوسری مجلس طے ہوئی۔ میں تیاری کر کے گیا۔ حضرت نے بھی غور فرمایا ہوگا۔ دونوں حضرات پھر بیٹھے...... لیکن مسئلہ میں اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ پھر غالباً تیسری مجلس اور ہوئی ہے۔ اس میں بھی یہی ہوا کہ حضرت اپنی رائے پر قائم رہے اور میں اپنی رائے سے نہ ہٹ سکا۔ حضرت نے فرمایا کہ بھئی! دیکھو اس مسئلہ میں ہمارا اور آپ کا اختلاف ہے تو اب اس اختلاف کا اظہار کر دینا چاہیے۔ مستفتی

کو بتادیں کہ ہمارا اختلاف ہے تو ایسی حالت میں اصول فتویٰ کا قاعدہ یہ ہے کہ مستفتی کو اختیار ہوتا ہے کہ جس مفتی پر اطمینان ہے، جس کے علم وتقویٰ پر زیادہ اعتماد وعقیدت ہے، اس کے فتویٰ پر عمل کرلیں۔ اس کے لیے حلال ہے۔ نہ اس پر تنقید و تنقیص کی ضرورت ہے نہ اُس پر بدگمانی کی ضرورت ہے اور نہ اس کا جواز ہے۔ چنانچہ حضرت والد صاحب فرماتے تھے ہم نے اسے اطلاع کردی۔ اس نے مزید غضب یہ کیا کہ عمل میرے فتویٰ پر کردیا...... مگر شیخ شیخ رہا اور مرید مرید رہا۔ اور مستفتی کے دل میں بھی ادنیٰ بدگمانی، بدزبانی کا شائبہ اپنے بزرگوں کے بارے میں نہیں آیا۔

ہمارے زمانے کا ایک المیہ:

الغرض تمام ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف ہوتا رہا ہے اور یہ حضرات اپنے قول سے رجوع بھی کرتے رہے ہیں۔ امام شافعی کے قول قدیم اور قول جدید کیا ہیں؟ رجوع یہی تو ہے۔ امام محمد صاحب نے کتنے مسائل میں رجوع کیا؟ حکیم الامت رحمہ اللہ کی ''ترجیح الراجح'' امداد الفتاویٰ میں لگی ہوئی ہے۔ والد صاحب کے امداد المفتین میں ''اختيار الصواب في مختلف الأبواب'' کے نام سے پورا ایک باب اسی کام کے لیے ہے۔ امداد المفتین کا جو سب سے آخری نسخہ چھپا ہے اس کے اندر سب سے آخری فتوے میں والد صاحب نے رجوع کیا ہے۔ حیلہ زکوٰۃ سے متعلق جو فتویٰ تھا، اس سے رجوع شائع کیا اور فرمایا کرتے تھے: ''اس طرح رجوع کرنا ٹھیک نہیں کہ اعلان تو کیا عام مجمع میں اور رجوع کرلیا چھوٹی مجلس میں۔ نہیں! رجوع بھی اسی طریقے کے ساتھ اعلان کے ساتھ ہونا چاہیے۔'' ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ کبھی رجوع کرنے میں شرماتے نہیں تھے لیکن اب ہمارے زمانے میں یہ ایک نیا حادثہ پیش آیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پہلے یہ نہیں تھا۔ آٹھ دس سال پہلے تک نہیں تھا، بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس واقعہ سے پہلے نہیں تھا۔ پاکستان وہندوستان میں بھی یہ نہیں تھا۔ اختلاف رائے ہوا کرتا تھا تو

اختلاف رائے کرنے والوں کو ثواب ملتا تھا۔ کسی کا قول صحیح اور کسی کا غلط ہوسکتا ہے لیکن ثواب سب کماتے تھے۔ ان کے اخلاص وتقویٰ کی وجہ سے سب کی عزت عوام کے دلوں میں بڑھتی تھی اور اگر کسی کو اپنی غلطی معلوم ہو جاتی تھی تو وہ رجوع کر لیتا تھا۔ شرماتا نہیں تھا۔ اس رجوع کی وجہ سے اس کی عزت میں ذرا بھی کمی نہیں آتی تھی۔ "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ" کا وعدہ پورا ہوتا تھا، لیکن یہ حالیہ واقعہ جو پیش آیا ہے ایک سال کے اندر اندر، یہ ہمارے طبقے، ہمارے علمائے کرام کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہمارے طبقے میں علمائے دیوبند ہیں۔ والد صاحب فرمایا کرتے تھے۔ یاد رکھنے کی بات ہے۔ ہمیں تخصص فی الافتاء والد صاحب نے شروع کرایا تھا اور پھر الحمد للہ ان کی خدمت میں رہ کر فتویٰ کا کام عرصہ دراز تک کرنے کی توفیق ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ کا اتنا بڑا احسان ہے کہ بیان نہیں کرسکتا۔ ہمیں آیا کچھ نہیں لیکن انہوں نے بہت کچھ گھول کر ہمیں پلا دیا۔ یہ ہمارے لیے بالکل ادنیٰ سی بات ہے۔ یہ جو واقعہ پیش آیا ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا دیکھا نہ سنا۔

اتفاق رائے اور اختلاف رائے:

والد صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مجتہد فیہ مسائل میں ..... جہاں نص صریح نہ ہو وہ مجتہد فیہ مسائل ہیں ..... ان میں اختلاف رائے ہونا بالکل ممکن ہے، بلکہ ضرور ہوگا۔ والد صاحب نے ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ جب آدمی دیانت دار بھی ہوں اور عقل مند بھی اور ایسے مسائل میں غور کریں گے تو اختلاف ضرور ہوگا۔ اتفاق رائے ہونے کی صرف دو صورتیں ہیں: (1) ایک تو یہ کہ سب کے سب بے وقوف ہوں۔ ایک نے بات کی، سب نے ہاں میں ہاں ملادی۔ (2) دوسری یہ کہ بے وقوف تو نہیں عقل مند ہوں، لیکن منافق ہوں۔ ایک نے بات کی۔ اب سننے والوں کی رائے تو دوسری ہے لیکن اس کو خوش کرنے کے لیے ہاں میں ہاں ملادی۔ جہاں دیانت داری بھی ہوگی اور سمجھ داری بھی ہوگی، وہاں اختلاف

رائے ضرور ہوگا۔ یہ اختلاف وہ ہے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔ ائمہ مجتہدین سے ہوتا ہوا ہم تک پہنچا۔ اس میں کوئی عیب کی بات نہیں۔ اور فرمایا کہ اس قسم کے مسائل میں کوئی جہت ''منکر'' نہیں ہوتی۔ کوئی رائے ''منکر'' نہیں ہوتی۔ امام ابوحنیفہ کا کوئی قول لے لیجیے! امام شافعی کا کوئی قول لے لیجیے! امام شافعی کا کوئی قول ''منکر'' نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا کوئی قول منکر نہیں۔ اسی طریقے سے کسی امام کا قول ''منکر'' نہیں۔ فرمایا کہ جب مجتہد فیہ مسائل میں جب کوئی جہت منکر نہیں ہوتی تو اس پر نکیر کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ ''غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے۔'' یہ جملہ والد صاحب کا ہے: ''غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے۔'' ہمارے ہاں یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ فتویٰ کا میدان ہے یا کوئی اکھاڑا ہے؟ ہم سب اصول افتاء کو بھول گئے۔ اپنے بزرگوں کی تمام تعلیمات فراموش کردیں۔ اسلامی مسائل میں غور وفکر کا یہ طریقہ اختیار کرلیا۔ تمام طریقوں کو بالائے طاق رکھ کر یہ طریقہ اختیار کرلیا گیا؟

ضرورت کے وقت متبادل بتانا ضروری ہے:

دوسری بات، متبادل راستے کی آئی۔ اپنے بزرگوں کی باتیں ہمارے پاس ہیں۔ اور ہمارے پاس ہے بھی کیا؟ ابھی آپ نے متبادل راستے کی نظیر سن لی۔ خیبر کی کھجور کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو کچھ فرمایا وہ حیلہ ہی تو تھا اور کیا تھا؟ پہلے بتایا کہ جو آپ نے کیا وہ ناجائز ہے۔ پھر جائز طریقہ بتلایا۔ متبادل طریقہ بتلایا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی امداد الفتاویٰ اُٹھا کر دیکھیے! خاص کر معاملات کے مسائل۔ خرید وفروخت، شرکت ومضاربت کے مسائل ..... اس میں آپ کو جگہ جگہ ملے گا کہ جو طریقہ آپ نے پوچھا وہ تو صحیح نہیں، البتہ اگر یوں کرلیا جائے تو پھر صحیح ہے۔ یہی طریقہ ہم نے والد صاحب رحمہ اللہ کے لکھے ہوئے فتاویٰ میں دیکھا۔ بہت دفعہ وہ فتویٰ دیتے تھے اور ساتھ میں متبادل بتاتے تھے۔ کبھی وہ متبادل شرعی راستہ بتائے بغیر یہ

نہیں کہتے تھے کہ یہ حرام اور ناجائز ہے۔ اس قسم کے معاملات جن میں عموم بلوی ہو، لوگوں کی ضرورتیں ہوں، اگر ان میں متبادل بتائے بغیر صرف حرام کہہ دیا جائے تو کیا ہوگا؟ لوگ مایوس ہوکر حرام میں مبتلا ہوں گے یا کاروبار چھوڑ کر بیٹھ جائیں گے اور پھر بعض لوگ خدانخواستہ ایسا بھی ہوگا کہ یہ سمجھ لیں گے کہ اس زمانے میں اسلام پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ والد صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس طرزِ عمل سے لوگ خدانخواستہ مرتد ہوجائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔ اس زمانے میں ناجائز معاملات، خاص طور پر بیع وشرا کے اندر، ناجائز معاملات اتنے پھیل گئے ہیں کہ لوگوں کو اس سے بچنا آسان نہیں رہا۔ اس زمانے میں خاص طور سے مفتی کی ذمہ داری اس پر ہرگز ختم نہیں ہوتی کہ اس سے بیع وشرا کے متعلق فتویٰ پوچھا جائے تو وہ یہ کہہ دے کہ یہ ناجائز ہے۔ اس کی جس طرح یہ ذمہ داری ہے کہ ناجائز بتلائے، ایسے ہی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ جائز راستہ بتائے اور فرمایا کہ اگر نہیں بتایا جائے گا تو خطرہ ہے کہ اس کا ایمان ہی نہ رہے۔ اس کے دل میں یہ خیال آجائے گا کہ اس زمانے میں دین پر عمل کرنا ممکن نہیں۔ پھر علماء سے پوچھنا ہی چھوڑ دے گا۔

تو یہ دو تین باتیں حضرت والد صاحب کی مجھے یاد تھیں۔ موقع کی مناسبت سے میں نے عرض کردی ہیں۔